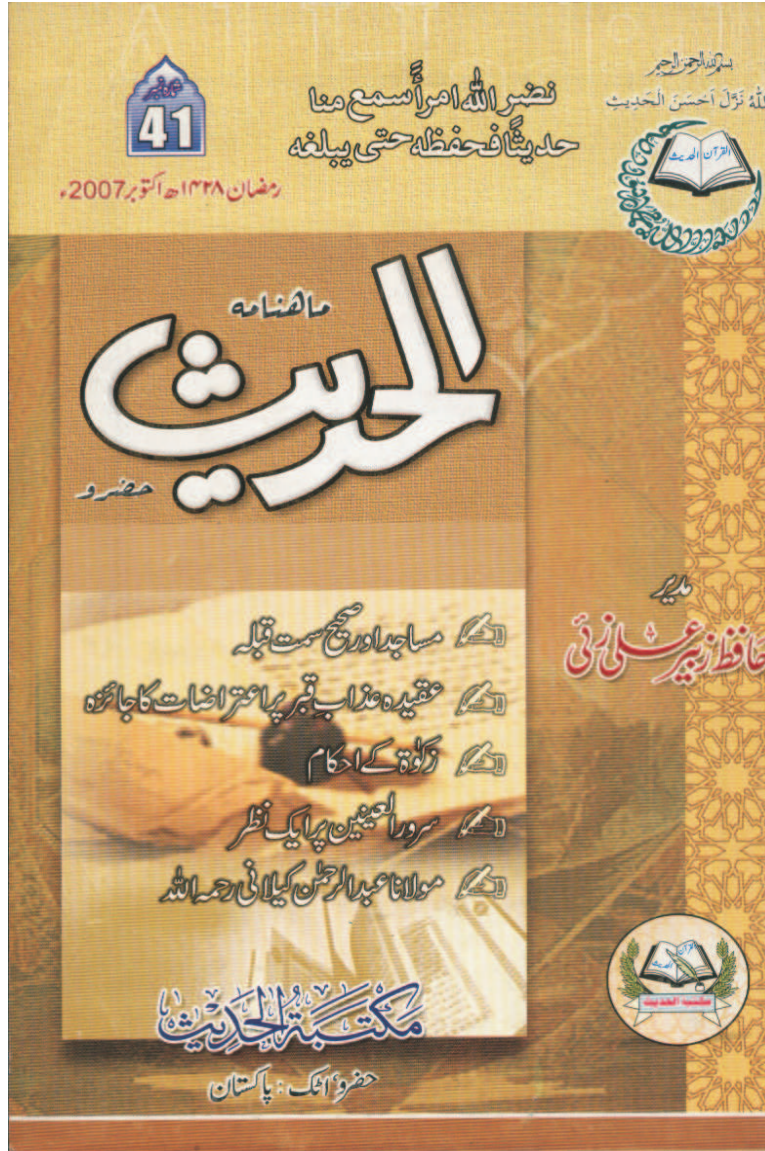


MAKTABA TUL HADITH HAZRO

By Alhadith at 10:31:57 PM, 3/26/2015



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



معاونین

حافظ ندیم ظہیر 0301-6863298
محمد صفور صفوری 0334-5808841

ابو خالد شاہ

اللہ تعالیٰ احسن الحديث

الحديث

لاہور

نفس اللہ اسرا سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 4 | رمضان 1428ھ | اکتوبر 2007ء | شمارہ: 10

اسی شمارے میں

2	حافظ ندیم ظہیر	احسن الحديث
4	حافظ زہیر علی زئی	فقد الحديث
8	حافظ زہیر علی زئی	توضیح الاحکام
15	ڈاکٹر عید اللہ ماناوی	عقیدہ عذاب قبر..
31	محمد صدیق رضا	أمت مصطفیٰ اور شرک
37	ابن بشیر السجوی	زکوٰۃ کے احکام
48	حافظ ندیم ظہیر	سرور العینین پر ایک نظر
59	محمد صدیق رضا	غیر ثابت قصے
63	حافظ شیر محمد	محبت ہی محبت
65	حافظ زہیر علی زئی	تذکرۃ الایمان

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے
سالانہ : 150 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک
200 روپے

برائے رابطہ

مکتبہ الحديث
حضرت ضلع انک

ہاتف حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبہ الحديث
حضرت ضلع انک

حافظ ندیم ظہیر

احسن الحدیث

درود و سلام

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت و درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ (الاحزاب: ۵۶)

فقہ القرآن :

☆ لفظ ”صلوة“ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی، اللہ کا اپنے بندے پر اپنی رحمت نازل کرنا ہے اور اگر یہ نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو دعائے رحمت اور اگر بندوں کی جانب ہو تو اس کا معنی دعائے رحمت بھی ہے اور درود وغیرہ بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ مشہور تابعی امام ابو العالیہ سے نقل کرتے ہیں:

”صلاة الله ثناء ه عليه عند الملائكة وصلاة الملائكة الدعاء“

صلاة اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرشتوں میں نبی ﷺ کی تعریف کرنا ہے اور صلاة الملائكة سے مراد دعا ہے۔ (صحیح بخاری قبل حدیث: ۴۷۹۷)

☆ سلام سے مراد تشہد (التحيات لله إلخ) اور درود سے مراد درود ابراہیمی ہے۔ اس آیت سے خود ساختہ درود و سلام کشید کرنا دین اسلام میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے جو کہ انتہائی مذموم حرکت ہے۔

☆ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہو

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا

بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ)) (صحیح بخاری: ۳۳۷۰: مختصراً)
☆ جس طرح اس آیت میں نبی ﷺ پر درود پڑھنے کی پُر زور تاکید کی گئی ہے، اسی طرح
احادیث میں بھی ترغیب و ترہیب وارد ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک
مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۴۰)
نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذَكَرْتُ عَنْدهُ فَلَمْ يَصِلْ عَلَيَّ))
اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔
(سنن الترمذی: ۳۵۴۵: سندہ حسن)
نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ((الْبَخِيلُ الَّذِي مِنْ ذَكَرْتُ عَنْدهُ فَلَمْ يَصِلْ عَلَيَّ))
وہ شخص بخیل ہے کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۴۶: سندہ حسن)

☆ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے کلمات کہے اور لکھے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ بھی ثابت ہیں۔
(دیکھئے صحیح مسلم ۳۹۲/۲ ح ۲۸۹۷) نیز محدثین کا ان پر اجماع ہے۔
تنبیہ: بعض حضرات نبی اکرم ﷺ کا نام لکھ کر صلعم یا وغیرہ کی علامت بنا دیتے ہیں۔
شرعاً یہ جائز نہیں بلکہ مذموم عمل ہے۔
☆ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے شرف و عزت کا بیان ہے، جس سے اللہ تعالیٰ
نے اپنے محبوب پیغمبر کو نوازا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”وَالْإِجْمَاعُ مَنْعَقِدُ عَلَيَّ أَنَّ فِي هَذِهِ الْآيَةِ مِنْ تَعْظِيمِ النَّبِيِّ
ﷺ وَالتَّنْوِيهِ بِهِ مَا لَيْسَ فِي غَيْرِهَا .“

اس بات پر اجماع ہے کہ اس (مذکورہ) آیت میں (صرف) نبی ﷺ کی تعظیم و تعریف
ہے۔ اس میں کوئی اور شامل نہیں ہے۔ (فتح الباری ۱۱/۱۵۶)

☆ درود کے موضوع پر امام اسماعیل بن اسحاق القاضی کی عظیم الشان کتاب شیخ البانی رحمہ اللہ
کی تحقیق سے چھپ چکی ہے۔ نیز حافظ ابن القیم کی کتاب ”جلاء الافہام“ بھی مفید ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

فقہ الحدیث

اہل بدعت سے دور رہیں

الفصل الثالث

(۱۱۶) وعن نافع أن رجلاً أتى ابن عمر فقال: إن فلاناً يقرأ عليك السلام. فقال: إنه بلغني أنه قد أحدث، فإن كان قد أحدث فلا تقرأه مني السلام، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((يكون في أمتي - أو في هذه الأمة - خسف، أو مسخ، أو قذف في أهل القدر)). رواه الترمذي و أبو داود وابن ماجه. وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب.

نافع رحمہ اللہ (مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے (سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کے پاس آکر کہا: فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا: مجھے پتا چلا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے، پس اگر (یہ صحیح ہے کہ) وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت یا اس امت میں خسف (زمین کا دھنس جانا) یا مسخ (شکلوں کا مسخ ہو جانا) یا قذف (پتھروں کا برسنا) ہوگا اور یہ سب باتیں قدریہ کے بارے میں ہوں گی۔ اسے ترمذی (۲۱۵۲) ابو داود (۴۶۱۳) اور ابن ماجہ (۴۰۶۱) نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا: ”ہذا حدیث حسن صحیح غریب“

تحقیق: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم (۸۴/۱) اور ذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ اس روایت کے راوی ابو حزمہ حمید بن زیاد جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہیں لہذا حسن الحدیث ہیں۔

فقہ الحدیث:

- ① بدعتِ کبریٰ والے بدعتی کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے۔
- ② ضرورت یا شرعی عذر کی بنا پر اہل بدعت سے مکمل بائیکاٹ بھی کیا جاسکتا ہے۔
- ③ قدریہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور یہ بدعتِ کبریٰ ہے۔ یاد رہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بعض لوگوں کو قدریہ میں شمار کیا گیا ہے جیسے قتادہ وغیرہ، اس سے مراد تقدیر کا انکار کرنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شر شیطان کی طرف سے ہے اور بہت سے لوگوں پر قدری ہونے کا الزام ہوتا ہے جیسے مکحول وغیرہ لیکن تحقیق کے میدان میں یہ الزام باطل و مردود ہوتا ہے۔
- ④ قیامت سے پہلے امتِ مسلمہ کے بعض مبتدعین کے چہرے مسخ کئے جائیں گے اور بعض کوزین میں دھنسا دیا جائے گا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوگی۔
- ⑤ اہل ایمان کی یہ خوبی ہے کہ وہ دلائل بیان کر کے مسلسل کتاب و سنت کا پرچم سر بلند رکھتے ہیں۔

(۱۱۷) وعن علي رضي الله عنه قال: سألت خديجة النبي ﷺ عن ولدين ماتا لها في الجاهلية. فقال رسول الله ﷺ: ((هما في النار.)) قال: فلما رأى الكراهة في وجهها قال: ((لو رأيت مكانهما لأبغضتهما.)) قالت: يا رسول الله! فولدي منك؟ قال: ((في الجنة.)) ثم قال رسول الله ﷺ: ((إن المؤمنين و أولادهم في الجنة و إن المشركين و أولادهم في النار.)) ثم قرأ رسول الله ﷺ: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ رواه أحمد . (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدہ) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کے بارے میں پوچھا جو کہ زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں آگ میں ہیں۔ پھر جب آپ نے خدیجہ

(ﷺ) کے چہرے پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھے تو فرمایا: اگر تم ان کی جگہ دیکھتی
تو ان سے نفرت کرتی۔ خدیجہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ سے میری (فوت شدہ)
اولاد کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت میں ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے۔ مشرکین اور
ان کی اولاد جہنم میں ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی:
﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اور جو
لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی، ہم نے ان
کی اولاد کو ان سے ملا دیا۔ [الطور: ۲۱]

اسے (عبداللہ بن) احمد نے (زوائد لمسنہ ۱۳۲۳، ۱۳۵ ح ۱۱۳۱) میں روایت کیا ہے۔
تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی محمد بن عثمان مجہول ہے۔
دیکھئے میزان الاعتدال (۶۴۲/۳) یاد رہے کہ مجہول کی روایت ضعیف ہوتی ہے جیسا کہ
اصول حدیث میں مقرر ہے۔

۱۱۸) وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((لما خلق الله
آدم مسح ظهره فسقط عن ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته
إلى يوم القيامة وجعل بين عيني كل إنسان منهم وبيصاً من نور ثم
عرضهم على آدم فقال: أي رب! من هؤلاء؟ قال: ذريتك. فرأى
رجلاً منهم فأعجبه وبيص ما بين عينيه قال: أي رب! من هذا؟ قال:
داود. فقال: رب! كم جعلت عمره؟ قال ستين سنة. قال: رب
زده من عمري أربعين سنة.)) قال رسول الله ﷺ: ((فلما انقضى
عمر آدم إلا أربعين جاءه ملك الموت فقال آدم: أولم يبق من
عمري أربعون سنة؟ قال: أولم تعطها ابنك داود؟ فجحد آدم
فجحدت ذريته ونسي آدم فأكل من الشجرة، فنسيت ذريته و

خطاً و خطأت ذریعہ .)) رواہ الترمذی .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا تو اُن کی پیٹھ پر (ہاتھ) پھیرا، ہر روح جسے اللہ قیامت سے پہلے پیدا کرے گا۔ اُن کی پیٹھ سے گرگئی اور ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک رکھی گئی پھر اللہ نے انھیں آدم (علیہ السلام) کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے کہا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ نے فرمایا: تیری اولاد ہے۔ پھر انھوں نے ان میں ایک آدمی دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان نور کی چمک انھیں اچھی لگی۔ کہا: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا: داود (علیہ السلام) ہیں۔ کہا: اے میرے رب! تُو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال، کہا: اے میرے رب! میری عمر میں سے چالیس سال انھیں دے دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدم (علیہ السلام) کی عمر میں سے صرف چالیس سال رہ گئے تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا۔ آدم (علیہ السلام) نے کہا: کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے کہا: کیا آپ نے وہ اپنے بیٹے داود (علیہ السلام) کو نہیں دے دیئے تھے؟ پس آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا۔ آدم (علیہ السلام) نے بھول کر درخت میں سے کھا لیا تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ آدم (علیہ السلام) کو لغزش ہوئی تو ان کی اولاد نے بھی غلطیاں کیں۔

اسے ترمذی (۳۰۷۶) وقال: هذا حديث حسن صحيح) نے روایت کیا ہے۔
تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن ہے۔ اسے حاکم (۵۸۶/۲) نے بھی صحیح کہا ہے۔
فقہ الحدیث:

- ① اس روایت میں نور سے مراد ایمان کا نور اور فطرتِ سلیمہ ہے۔
- ② بھول جانا انسانی فطرت میں شامل ہے۔
- ③ یہ حدیث سورۃ الاعراف کی آیت: ۲۷ کی شرح میں ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

مشترکہ فیکٹری اور اس کے حصہ داروں کا مسئلہ

سوال: سائل اور اس کے ساتھیوں کو چند کاروباری معاملات میں دینی رہنمائی کی ضرورت ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [النساء: ۵۹]

مسئلہ یہ ہے کہ ایک فیکٹری (کارخانہ) جس کے تقریباً سولہ سو (1600) حصہ دار ہیں، اس کا (MD) مسئول ایک اور نئی فیکٹری لگانا چاہتا ہے، جس سے موجودہ فیکٹری کو خام مال بھی ملے گا اور زائد پیداوار مارکیٹ میں فروخت ہوگی۔ وہ اس کے لئے دنیا کے کئی ممالک کا سفر کرتا ہے اور اس پر اپنے ذاتی پیسے خرچ کرتا ہے اور دوسرے حصہ داروں کو کہتا ہے کہ یہ فیکٹری میں اپنے پیسے، اپنے وسائل اور اپنے لئے لگاؤں گا۔ اس کے لئے وہ تقریباً دو سال صرف کرتا ہے لیکن سوائے مختلف قسم کے معاہدے (agreements) کہ وہ فیکٹری نہیں لگا سکتا۔ چونکہ ہر فیکٹری کے لئے بنیادی طور پر سرمایہ کی ضرورت ہے۔ جس کو وہ اپنے وسائل سے حاصل نہیں کر سکتا اب مجبور ہو کر وہ اپنے حصہ داروں کو دعوت دیتا ہے کہ ان میں سے جو چاہے نئی فیکٹری میں شریک ہو سکتا ہے اور باہر کے لوگوں کو بھی دعوت دیتا ہے، وہ بھی اس کے شریک کار ہو سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کے لئے مطلوبہ سرمایہ مہیا کرنے میں حصہ لیں اور موجودہ فیکٹری کی زمین اور نقد روپیہ جو نئی فیکٹری کا تقریباً 1/3 حصہ ہوگا لگائیں اور اپنے پاس سے بھی حتی المقدور سرمایہ کاری کریں لیکن (MD) مسئول اپنے لئے نئی فیکٹری کے کل سرمایہ کا 5% فیصد وصول کرونگا اور اس میں کوئی دوسرا حصہ دار نہیں ہوگا اور 5% بطور شیئر سرٹیفکیٹ کے وصول کرونگا۔ چونکہ فیکٹری شاک آپ کیچینج میں رجسٹرڈ ہوگی، اس لئے فیکٹری مکمل ہونے تک شاک آپ کیچینج میں اس کی قیمت جو پڑے گی

اس کا فائدہ اٹھانے کا حق دار بھی میں ہونگا، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا، اس پر اس کے سمجھدار حصہ داروں نے اعتراض کیا کہ تم جس فیکٹری کے 1/3 حصہ کو بنیاد بنا کر 2/3 حصہ سرمایہ لوگوں سے لینا چاہتے ہو تو تم اس کے تنخواہ دار ہو اور آج جو بڑی فیکٹریاں ہیں ان کے مطابق تنخواہ، گھر، گاڑیاں، ٹیلیفون، ملازم، ساری دنیا کا سفر، میڈیکل: بیماری کا علاج چاہے لاکھوں میں ہو، وصول کر رہے ہو اور تم نے یہ تمام معاہدے اس فیکٹری کے سربراہ کی حیثیت سے کئے ہیں۔ اگر تم اس فیکٹری کی سربراہی سے علیحدہ ہو کر معاہدے کرتے تو تمہیں کمیشن لینے کا اختیار تھا لیکن موجودہ فیکٹری کے سربراہ ہوتے ہوئے جب تم بڑے معاہدے کرتے ہو تو تمہاری پوزیشن اس سربراہ حکومت کی ہو جاتی ہے جو حکومت کا سربراہ ہونے کے باوجود معاہدے کو اپنی ذاتی حیثیت میں شمار کرے اور اس کے لئے کمیشن مانگے لیکن (MD) مسئول کا استدلال یہ ہے کہ یہ نئی فیکٹری ہے اور اس کے لئے کچھ ابتدائی اخراجات میں نے اپنے پاس سے کئے اور ساری منصوبہ بندی اپنی عقل سے کی ہے لیکن اختلاف کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ نئی فیکٹری ایک بہت بڑی فیکٹری جس کی مشینری کی قیمت اربوں روپے میں اور یہاں پاکستان میں بھی مشینری کے علاوہ اربوں روپے درکار ہیں۔ ذاتی حیثیت سے مشینری فروخت کرنے والے تمہیں ملاقات کا ٹائم بھی نہ دیتے اور نہ معاہدہ کرتے کہ یہ اربوں روپے کی مشینری ادھار کئی سال کے لئے دی جائے گی اور پاکستان کے اندر جو سرمایہ کی ضرورت ہے وہ بھی اربوں روپے ہے، ذاتی حیثیت سے کوئی شخص تمہارے ساتھ سرمایہ کاری نہیں کرے گا۔ اگر تم آزمائش کرنا چاہتے ہو تو اس فیکٹری کی سربراہی سے استعفیٰ دیکر پھر لوگوں کو سرمایہ کاری کی دعوت دو کیا وہ تمہاری دعوت قبول کرتے ہیں؟ اور باہر کے جو معاہدے ادھار مشینری کے تم نے کئے وہ بھی اپنی ذاتی حیثیت سے کرو، اگر تم کو کامیابی مل جاتی ہے تو 5% فیصد چھوڑ کر 10% کمیشن نئی فیکٹری سے لے لو لیکن موجودہ فیکٹری کے سربراہ ہوتے ہوئے جس کے تقریباً 1600 حصہ دار ہیں اور اسکی مالیت بھی کئی ارب روپیہ ہے تم اپنی ذات کے لئے کمیشن

نہیں لے سکتے اگر کمیشن وصول کرنا ہے تو وہ موجودہ فیکٹری کے منافع میں جمع کر کے 1600 حصہ داروں میں تقسیم کرو، چونکہ تم اس فیکٹری کے سربراہ ہی نہیں امین بھی ہو اور تمہارا اس فیکٹری میں تقریباً 15% حصہ ہے۔ جب یہ کمیشن منافع کی شکل میں ملے گا تو تمہیں تمہارا 15% یعنی کمیشن 1/6 حصہ خود بخود مل جائے گا اور دوسرے حصہ دار کچھ 15% اور کچھ زیادہ اور کچھ کم کے جو مالک ہیں، اسی نسبت سے ان کو بھی کمیشن منافع میں سے حصہ مل جائے گا اور تم جو ابتدائی اخراجات کر چکے ہو چاہے نئی فیکٹری میں، اس کو حصہ کے طور پر رکھ لو یا رقم واپس وصول کر لو لیکن وہ شخص اس سے شدید اختلاف کرتا ہے اور اپنی ضد پر اصرار کرتا ہے۔ ہم سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ شریعت سے رہنمائی حاصل کریں لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ آج کے علماء کا روباہاری معاملات نہیں سمجھتے اس لئے وہ ہماری مشکل حل نہیں کر سکتے۔

جناب حافظ صاحب (حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ) ابھی حال ہی میں آپ نے علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا ہے۔ جس میں چوٹی کے علماء حضرات ہیں، یہ مسئلہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے اس کو حل کر کے کاروباری لوگوں کی شریعت کے اندر رہنمائی فرمائیے تاکہ نہ کوئی ظلم کرے اور نہ اس پر ظلم کیا جائے۔ (سائل: آپ کا ایک دینی بھائی)

الجواب: نفع اور نقصان کی بنیاد پر شراکت والا کاروبار مثلاً فیکٹری اور کارخانہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں سود، فراڈ اور دھوکے کا نام و نشان تک نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ اور بہت سے حصہ دار، شریک کار ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور یہ بہت تھوڑے ہیں۔ (ص: ۲۴)

اگر تمام حصہ دار مذکورہ ایم ڈی (MD) سے متفق ہیں تو اس کے لئے نفع و نقصان میں سے یا فیکٹری کے سرمائے سے کچھ حصہ مثلاً پانچ فی صد مختص کیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((المسلمون علی شروطہم)) مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں۔
(سنن ابی داؤد: ۳۵۹۴ وسندہ حسن وصحیح ابن الجارود: ۶۳۷ وابن حبان: ۱۱۹۹، وعلقہ البخاری فی صحیحہ قبل ح ۴۲۷۲ نحو لکھنوی)
اور اگر حصہ دار راضی نہ ہوں یا شک محسوس کریں تو ایم ڈی صاحب کو منع کر دیں اور
کہہ دیں کہ ایم ڈی سمیت تمام حصہ دار نفع و نقصان میں برابر کے شریک ہوں گے یا وہ اس
کاروبار کو ہی چھوڑ دیں۔

شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جس چیز کے بارے میں دل میں
کھٹک محسوس ہو اور آدمی مطمئن نہ ہو تو اس چیز کو چھوڑ دینا چاہئے۔ وما علینا الا البلاغ
(۳/ اگست ۲۰۰۷ء)

مساجد اور صحیح سمتِ قبلہ

سوال: سائل کا تعلق ڈیرہ غازی خان شہر سے ہے۔ ہمارے شہر میں قبلے کا رخ مغرب
میں تھوڑا تر چھا ہے اور شہر کے تمام مسالک: دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث (اور) شیعہ
حضرات کی مسجدیں اسی رخ میں بنی ہوئی ہیں اور بغیر کسی اختلاف کے لوگ اسی رخ میں
مساجد بنا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے شہر میں ایک مسجد والوں نے مسجد کا رخ مغرب میں سیدھا
کر دیا ہے اور متولی مسجد کا کہنا ہے کہ اس طرح رخ کرنے سے قبلہ رخ میں کوئی فرق نہیں
پڑتا اور آپ کی نمازوں کا میں ذمہ دار ہوں جب کہ متولی صاحب نہ تو عالم ہیں، نہ مفتی ہیں
نہ ہی قاری ہیں۔ جب کہ قبلہ نما میٹر سے قبلہ کا رخ مغرب میں تر چھا ہی آتا ہے۔ آپ سے
التماس ہے کہ آپ ہمیں قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا اُن کی یہ بات ٹھیک ہے؟
اور یہ کہ بقیہ اہل شہر جو مساجد کا رخ مغرب میں تر چھا کر کے بنا رہے ہیں جو کہ قبلہ نما میٹر
کے عین مطابق ہے وہ سب غلط ہے؟ یا یہ لوگ کسی نئے فتنہ کا آغاز کر رہے ہیں؟

جب کہ مسافر ہونے کی صورت میں قبلہ کی صحیح سمت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے جس
طرف منہ کرے گا نماز ہو جائے گی۔ لیکن اگر علم ہو جائے کہ قبلہ کا رخ صحیح سمت میں نہیں بلکہ
سیدھا ہے تو اس صورت میں بھی نماز ہو جائے گی؟

اس سوال کے جواب کے سلسلے میں براہ مہربانی فتویٰ ارسال فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔
فتویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہو۔ ضروری ہے کہ فتویٰ ہمیں ارسال کریں کیونکہ ہمیں
کسی بھی ساتھی کو سمجھانا ہو یا دکھانا ہو تو علمائے کرام کا فتویٰ دکھایا جاسکے اور اصلاح ہو سکے۔
(عبدالوہاب، ڈیرہ غازی خان)

الجواب: الحمد للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ الامین، أما بعد:
ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ
فَوُكُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ پس آپ (نماز میں) اپنا چہرہ مسجد حرام (بیت اللہ) کی طرف
پھیر دیں اور تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز میں) اپنے چہرے اسی طرف پھيرو۔ (سورۃ البقرہ: ۱۴۴)
نبی کریم ﷺ نے مسی الصلوۃ کو حکم دیا: ((اِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ
ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ .)) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو پورا وضو کرو پھر قبلہ رخ ہو
کر تکبیر (اللہ اکبر) کہو۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب من رد فقال: عليك السلام ح ۶۲۵۱، صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ باب وجوب قراءة
الفاتحة فی کل رکعة ح ۴۶/۳۹۷ وتر قیام دار السلام: ۸۸۶)

ان دلائل اور دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ نمازی کو حالت نماز میں بیت اللہ کی طرف رخ
کرنا چاہئے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

جب مسلمانوں کو نماز میں قبلہ رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو سب کعبہ کی طرف پھر گئے۔

دیکھئے صحیح بخاری (ح ۴۰۳) و صحیح مسلم (ح ۵۲۶) وتر قیام دار السلام: ۸۷۸

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۴۰)
معلوم ہوا کہ مکہ سے باہر اور دور والوں کے لئے یہ حکم ہے کہ مکہ کی طرف رخ کر کے فرض
نمازیں پڑھیں۔ نوافل کیلئے سواری کی حالت میں دوسرا حکم ہے جس کا ہمارے موضوع سے
فی الحال کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر ۱: بیت اللہ کے پاس بیت اللہ کی طرف رخ کر کے اور مکہ سے باہر مکہ کی طرف

رُخ کر کے نماز پڑھنا فرض ہے۔

مسئلہ نمبر ۲: جان بوجھ کر، علم ہو جانے کے باوجود بیت اللہ سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر ۳: اپنی پوری کوشش کے باوجود اگر سمتِ قبلہ میں کوئی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((ما بین المشرق والمغرب قبلۃ))۔

مشرق اور مغرب کے درمیان جو ہے وہ (مدینہ والوں کے لئے) قبلہ ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۴۴۰ وقال: ”ھذا حدیث حسن صحیح“ وسندہ حسن)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ما بین المشرق والمغرب قبلۃ“۔ ”مشرق اور مغرب کے درمیان (مدینے والوں کا) قبلہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۶۲/۲ ح ۴۳۰ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ما بین المشرق والمغرب قبلۃ“۔

(ابن ابی شیبہ ۳۶۲/۲ ح ۴۳۲ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ما بین المشرق والمغرب قبلۃ إذا توجہت قبل البیت“۔

جب تم بیت اللہ کی طرف رُخ کر لو تو مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

(اسنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲ وسندہ حسن، نافع بن ابی نعیم حسن الحدیث وثقتہ الجہو رواھا ابن الترمذی فیہ جرح مرجوحہ)

خلاصۃ التحقیق: نمازوں میں حتی الوسع کعبہ (بیت اللہ) مکہ کی طرف ہی رُخ کرنا چاہئے۔

جان بوجھ کر مکہ (بیت اللہ) کے علاوہ کسی دوسری طرف رُخ کر کے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اگر سمتِ قبلہ میں اجتہادی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔

سائل کے سوال کا مختصر جواب: بشرطِ صحتِ سوال عرض ہے کہ جن لوگوں نے بغیر کسی واضح دلیل کے مسجد کا رخ قبلے کی طرف سے ہٹا کر مغرب کی طرف سیدھا کر دیا ہے، اُن کا یہ عمل غلط ہے اور اس سے بڑا فرق پڑتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس طرح کی حرکت سے لوگ بجائے مکہ کے قبلہ اول کی طرف نماز پڑھ رہے ہوں۔ کوئی شخص کسی کی نمازوں کا کبھی ذمہ دار نہیں ہوتا لہذا متولی کا قول باطل ہے۔ وما علینا الا البلاغ (۳/ اگست ۲۰۰۷ء)

اللہ کی نعمت کے آثار بندے پر

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کے آثار اپنے بندے پر دیکھے“
(عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب: سیدنا مالک بن نضله رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میری (ظاہری) حالت خراب تھی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ میں نے کہا: ہر قسم کا مال ہے، اونٹ، غلام، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں سب کچھ ہے تو آپ نے فرمایا: ((إِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا فَلْيُرْ عَلَيْهِ)) جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اس کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے۔

(مسند احمد ۳/۴۷۳ ح ۱۵۸۸۸، وسندہ صحیح و صحیح ابن حبان ۵۳۹۲/۵۴۱۶ والحاکم ۴/۱۸۱ ح ۳۶۲۴ ووافقه الذہبی)
یہ روایت بلحاظ سند و متن بالکل صحیح ہے۔ اسے ابو داود (ح ۴۰۶۳) اور نسائی (۸/۱۸۱ ح ۵۲۲۵، ۵۲۲۶) نے بھی ”ابو إسحاق السبيعي عن أبي الأحوص بن مالك بن نضلة عن أبيه“ کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابواسحاق کی یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے اور انھوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ والحمد للہ
سنن ابی داود کے الفاظ درج ذیل ہیں:

((فَإِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا فَلْيُرْ أَثَرُ نِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْكَ وَ كِرَامَتِهِ)) پس جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اللہ کی نعمت اور سخاوت کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے۔ (طبع دار السلام ح ۴۰۶۳)
سنن نسائی کی روایت اسی مفہوم کی ہے، امام ترمذی نے یہ روایت مختصر بیان کرنے کے بعد فرمایا: ”هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ“ (البر والصلة باب ما جاء في الاحسان والعنق ۲۰۰۶)
سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُرَى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَى خَلْقِهِ)) جسے اللہ اپنی نعمت عطا فرمائے تو اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی مخلوق پر اُس کی نعمت کا اثر نظر آئے۔ (مسند احمد ۴/۴۳۸ ح ۱۹۹۳۴، وسندہ صحیح) خلاصہ یہ کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

عقیدہ عذابِ قبر پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ

عقیدہ عذابِ قبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امتِ مسلمہ کا زبردست امتحان لیا ہے۔ کچھ لوگوں نے عذابِ قبر کے عقیدہ کو عقل کی بنیاد پر پرکھا اور اپنے خود ساختہ عقائد و نظریات کے تناظر میں اسے دیکھنے کی کوشش کی جبکہ اہل ایمان عذابِ قبر کے عقیدے کو من و عن اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ دور ماضی کی طرح موجودہ دور میں بھی یہی روش برقرار ہے۔ منکرینِ حدیث کے ساتھ ساتھ عثمانی فرقہ بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔ عثمانی فرقے کے رسالے ”حبل اللہ“ میں کسی ”محمد سہیل“ نامی شخص کا ایک مضمون دو قسطوں میں چھپا ہے جس میں اگرچہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر عثمانی کے عقائد و نظریات کو گھما پھرا کر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کچھ عنوانات برزخ، روح، اعادہ روح وغیرہ پر خامہ فرسائی کی گئی ہے اور اپنے اسلاف اور ”سلف طالحین“ معتزلہ کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ چنانچہ موصوف کے ان خیالات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ پیش خدمت ہے:

عذابِ قبر کیا ہے؟ عربی زبان کی معمولی استعداد رکھنے والا شخص بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ عذاب القبر مرکب اضافی ہے جس کا ترجمہ ہے ”قبر کا عذاب“، یعنی وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے اور امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ قبر وہ مقام ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ اب اتنی عام فہم بات کو مشکوک بنانے کے لئے عجیب و غریب فلسفے بیان کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اصلی قبر جو برزخ میں ہے وہ آسمانوں میں ہے گویا زمین پر جو قبر ہے، جسے قرآن مجید نے قبر کہا، حدیث نے بھی قبر کہا، پوری امتِ مسلمہ نے بھی قبر کہا، لیکن ڈاکٹر عثمانی نے اسے نقلی قبر کہا اور برزخ میں قائم کردہ فرضی قبر کو اصلی قبر قرار دیا ہے۔

در اصل روح کے راحت و آرام اور عذاب کی احادیث کو عذابِ قبر قرار دینے کے لئے یہ ساری تگ و دو کی گئی۔ کیونکہ ڈاکٹر موصوف صرف روح کے عذاب کے قائل ہیں اور اسی کی اتباع کرتے ہوئے مقلدین عثمانی بھی اسی عقیدے کو عام کر رہے ہیں۔ فرقہ پرستوں میں تقلید کی اس سے زیادہ خوفناک مثال نہیں ملتی۔ ان مقلدین سے پوچھا جائے کہ برزخ میں قبر قائم کرنے کا کیا مقصد ہے؟ زمین میں جو قبر ہے اس میں تو میت کو دفن کیا جاتا ہے اور برزخ والی قبر میں کس کو دفن کیا جاتا ہے؟ کیا روح کو دفن کیا جاتا ہے؟ یہ بڑی عجیب و غریب منطق ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے لیکن ڈاکٹر موصوف نے اس کا حل بھی پیش کر دیا ہے۔

برزخی جسم کا تصور: ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے کہ مرنے کے بعد اس روح کو ایک نیا برزخی جسم دیا جاتا ہے اور یہی جسم راحت و عذاب کے تمام مراحل سے گزرتا ہے اور یہ ایسا جسم ہے جو ریزہ ریزہ ہو جائے تو اسے دوبارہ درست کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ڈاکٹر موصوف نے کچھ احادیث بھی ذکر کی ہیں جن میں اگرچہ یہ وضاحت موجود نہیں ہے البتہ موصوف نے ان احادیث سے اس عقیدہ کو کشید کرنے کی مکمل کوشش کی ہے جس کی تفصیل ہماری کتاب ”عذابِ قبر“ کی حقیقت میں ہے۔

قادیانی نظریہ: دراصل ڈاکٹر موصوف نے یہ نظریہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے اسمگل کیا ہے۔ مرزا غلام قادیانی نے اس نظریہ کو دو ٹوک الفاظ میں پیش کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے: ”سوائے تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعالِ کاملہ صادر ہونے کے لئے اسلامی اصول کے رُوسے جسم کی رفاقتِ رُوح کے ساتھ دائمی ہے۔ گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالمِ برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک رُوح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔ وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نُور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے۔ اور بعض جسم نُورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت

سے تیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔ انسانِ کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیتِ جسم کے علاوہ پاسکتا ہے۔ اور عالمِ مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن جن کو عالمِ مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے۔ تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے۔ یہی عالمِ برزخ میں نیک و بد کی جزاء کا موجب ہو جاتا ہے۔ میں اس میں صاحبِ تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا ہے کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ غرض میں اس گُوپہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی۔ انسان کی یہ غلطی ہوگی۔ اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے۔ بلکہ جاننا چاہے۔ کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں بتلا سکتی۔ اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ ایسا ہی وہ علومِ معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عقدہ حل نہیں ہو سکتا۔ خدائے تعالیٰ نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کے لئے علیحدہ علیحدہ وسائل رکھے ہیں پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالو گے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی از مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ص ۱۳۵، ۱۳۶، روحانی خزائن ج ۱۰ ص ۴۰۴-۴۰۶)

معلوم ہوا کہ موصوف سے پہلے نئے جسم کا تصور مرزا قادیانی نے پیش کیا اور وہاں سے اسمگل کر کے موصوف نے اس جدید تحقیق کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔

تین زندگیاں: موصوف کی اس جدید تحقیق سے دوزندگیوں کا قرآنی تصور بھی غلط

ثابت ہو جاتا ہے یا بالفاظ دیگر موصوف قرآن کے منکر اور کافر قرار پاتے ہیں کیونکہ دوسو توں اور دوزندگیوں کے منکرین کو ڈاکٹر موصوف نے بھی کافر قرار دیا ہے۔ دراصل دوسروں پر کفر کے فتوے داغنے داغنے موصوف اپنے آپ کو بھی کافر قرار دے بیٹھے ہیں۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

یہ عجیب منطق ہے کہ اگر کوئی شخص ارضی قبر میں راحت و عذاب کا قائل ہے تو وہ موصوف کے نزدیک کافر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص موصوف کی قائم کردہ برزخی قبر میں تیسری زندگی کا قائل ہو تو وہ پکا مومن اور پکا موحد بھی ہے۔ سبحانک هذا بهتان عظیم ہر چیز برزخی: قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ ”ان مرنے والوں کے پیچھے قیامت تک ایک برزخ حائل ہے۔ (المومنون: ۱۵۵) یعنی ان کے درمیان ایک آڑ یا پردہ قائم ہے۔

اس وجہ سے اس درمیانی عرصے کو برزخی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث میں اس عرصے کو آخرت کہا گیا ہے لیکن ڈاکٹر موصوف نے برزخی زندگی کے علاوہ ہر چیز کو برزخی قرار دیا ہے۔ جیسے برزخی قبر، برزخی جسم وغیرہ، اس طرح کی بیماری مسعود احمد بی ایس سی کو بھی لاحق ہو گئی تھی۔ تشابہت قلوبہم۔ اس نے ہر چیز کے ساتھ مسلمین کے اضافے کو لازم قرار دیا جیسے مسجد المسلمین، توحید المسلمین، صلوٰۃ المسلمین وغیرہ آئندہ شاید وضوء المسلمین، مسواک المسلمین، شارب المسلمین وغیرہ نام بھی عام اور شائع ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اب عثمانی فرقہ برزخی عثمانی کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

عذاب قبر کی وضاحت احادیث سے: رسول اکرم ﷺ چار چیزوں سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے اور امت کو بھی ان چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو تو ان چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے یعنی عذاب جہنم سے، عذاب القبر سے اور زندگی و موت کے فتنے سے اور مسیح و جال کے شر سے۔ (مسلم: ۱۳۲۶)

دوسری حدیث میں ہے: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ“ (صحیح مسلم: ۱۳۲۴)
اس حدیث سے واضح ہوا کہ عذاب قبر اور عذاب جہنم دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔
موت کے وقت روح کو جسم سے نکال لیا جاتا ہے اور روح قبر کے سوال و جواب کے بعد
جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے۔ روح کو جہنم میں جو عذاب دیا جاتا ہے، اسے عذاب جہنم
کہا جاتا ہے۔ موصوف نے جنت اور جہنم کے عذاب کی احادیث کو نقل کر کے اسے ہی
عذاب قبر قرار دیا ہے۔ جبکہ جسم جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور قبر کے سوال و جواب کے بعد
اسے راحت و آرام سے نوازا جاتا ہے یا پھر عذاب دیا جاتا ہے اور یہ عذاب ہی عذاب قبر
ہے، اس سلسلے میں احادیث بالکل واضح ہیں۔ ڈاکٹر موصوف اور اس کے حواری آخرت کے
معاملے کو دنیا پر قیاس کر کے قبر کے عذاب کے منکر ہو گئے۔ یہ آخرت کے معاملات ہیں
جنہیں عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاسکتا بلکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں پر
صحابہ کی طرح سمعنا و اطعنا کہا جائے تب ایمان محفوظ رہ سکتا ہے، عذاب قبر کی
وضاحت کے لئے یہاں چند احادیث درج کی جاتی ہیں جن پر غور و فکر کی ضرورت ہے:

پہلی حدیث: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
(إِنَّ الْمَيِّتَ لِيُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بَكَاءِ أَهْلِهِ، عَلَيْهِ))

بے شک میت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کے
سبب سے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۸۸، ۳۹۷۸، صحیح مسلم: ۹۲۷، دارالسلام: ۲۱۴۲)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ میت کو عذاب ہوتا ہے اور یہ عذاب قبر میں ہی ہوتا ہے
کیونکہ میت قبر میں دفن ہوتی ہے۔ یہ حدیث ڈاکٹر موصوف کے مطالعہ میں نہ تھی اور اگر تھی تو
اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور اس حدیث کو طابہ نہیں کیا۔ اب جبکہ یہ واضح حدیث
سامنے آگئی ہے تو تمام برزخی عثمانیوں کو اس پر یقین (ایمان) رکھنا چاہئے اور اپنے تمام
باطل نظریات سے فوری طور پر توبہ کر لینی چاہئے اور اگر کوئی مرزائی و عثمانی ضد اور ہٹ دھرمی
کی وجہ سے واضح اور صحیح حدیث کا انکار ہی ہے تو قرآن و حدیث کے منکرین کو جہنم کا عذاب

چکھنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس بات سے تمہیں منع کر دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر: ۷)

دوسری حدیث: سیدنا براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آیت ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے قول ثابت کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔ (ابراہیم: ۲۷) کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب القبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (قبر میں میت سے) کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ ”اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو سچی بات کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۷۱، دارالسلام: ۷۲۱۹، نیز ملاحظہ فرمائیں صحیح بخاری: ۱۳۶۹)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عذاب القبر کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے اور سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ عذاب القبر ہی کے بارے میں نازل ہوئی اور قبر میں میت کو اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح بخاری کی اسی حدیث میں یہ بات موجود ہے) اور اس سے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ قبر کا سوال و جواب حق ہے اور اہل اسلام میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ سوال و جواب کے وقت روح کو بھی قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور قبر کے مسئلے کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے، اس لئے اسے دنیا کی زندگی پر قیاس کرنا گمراہی اور جہالت ہے کیونکہ میت کی دنیاوی زندگی ختم ہو چکی ہے اور اب وہ آخرت کے مراحل سے گزر رہی ہے، اس عنوان پر مزید تفصیل بیان کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

منکرین عذاب القبر احادیث کے انکار میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ وہ

حدیث پر تنقید کرتے ہوئے نبی ﷺ کی توہین کا بھی ارتکاب کر جاتے ہیں اور یہ تک نہیں سمجھتے کہ ان کے قلم نے کیا لکھ مارا ہے۔ اس کی ہم بہت سی مثالیں بیان کر سکتے ہیں لیکن یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں ہے لہذا یہاں ایک ہی مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا ایک انتہائی اندھا مقلد اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”اسی طرح یہ فرقہ پرست اور قبر پرست قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے ارضی قبر کی زندگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں..... اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ایمانداروں کی مدد کرے گا۔ چونکہ اس آیت کا ذکر بخاری کی حدیث میں عذاب القبر کے ساتھ کیا گیا ہے اس لئے بعض جاہل اور گمراہ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے عقیدے (مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے) کا ثبوت قرآن کی یہ آیت ہے۔“ (دعوت قرآن اور یہ فرقہ پرستی ص ۶۷)

یہ ہے ابوانور جردون کی ”دعوت قرآن“ اور ان کا ”ایمان خالص“

اس آیت کے متعلق خود نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کا تعلق عذاب القبر کے ساتھ ہے لیکن موصوف نے فتویٰ لگایا ہے ”فرقہ پرست“ ”قبر پرست“ ”جاہل“ ”گمراہ“ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی اس قدر توہین کرنے والا کبھی مومن نہیں ہو سکتا اور ایسے شخص کی موت کفر کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں ہو سکتی۔ شیطان رشدی جیسے لوگوں کا انجام اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ وذلک جزاء الظلمین [تفصیل کے لئے ہماری کتاب ”دعوت قرآن کے نام سے قرآن وحدیث سے انحراف“ ملاحظہ فرمائیں۔]

تیسری حدیث: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

بے شک جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پیٹھ موڑ کر لوٹتے ہیں اور وہ ابھی ان کی جوتیوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس (شخص یعنی محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ پس مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنا ٹھکانا جہنم میں دیکھ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: پھر وہ اپنے دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ چوڑی کر دی جاتی ہے اور اسے قیامت تک سرسبز و شادابی سے بھر دیا جاتا ہے۔ پھر قتادہ رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف پلٹے یعنی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بقیہ حدیث بیان کی۔ (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: اور منافق یا کافر سے کہا جاتا ہے کہ تو اس شخص (محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ قرآن پڑھا (اور نہ اس سے رہنمائی حاصل کی) یہ کہہ کر اسے لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے اور اس کے چیخنے چلانے کی آواز جنوں اور انسانوں کے سوا قریب کے (تمام جانور) سنتے ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۷۰، صحیح مسلم: ۲۸۷۰، دار السلام: ۷۲۱۶)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اسے قبر میں اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور اس سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ مومن کو قبر میں راحت و آرام ملتا ہے جبکہ منافق و کافر کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میت دفن کر کے واپس جانے والے ساتھیوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے اور یہ ایک استثنائی حالت ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ میت یہ جان لے کہ جس اہل و عیال کے لئے اس نے آخرت کو فراموش کر رکھا تھا آج وہ اسے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں اور قبر میں ایمان اور نیک اعمال کے سوا کوئی چیز اسے نجات نہیں دلا سکتی۔ بعض حضرات نے حدیث کے اس حصہ کو خلاف قرآن قرار دیا ہے حالانکہ یہ حدیث خلاف قرآن نہیں بلکہ ایک استثنائی صورت ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب میں ”مردار“ کی مثال بیان کی تھی۔ عثمانی فرقہ کے بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے لیکن اس کی تاویل کی ہے۔ ان کا پہلے یہ کہنا تھا کہ اس حدیث میں حقیقت نہیں بلکہ مجاز بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جوتیوں کی آواز سنی جا سکتی ہے کہ میت کے پاس فرشتے آ جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے اس حدیث کی دوسری

تاویل یہ پیش کی کہ میت فرشتوں کی جوتیوں کی چاپ سنتی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نے جمع اور تشنیہ کی بحث بھی کی ہے۔ لیکن (اول) تو اس حدیث کا سیاق و سباق ہی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ نیز ڈاکٹر موصوف نے اس حدیث کی غلط تاویلات اس لئے کیں کہ اس نے حدیث قرع نعال میں وتولی وذهب أصحابہ کا غلط اور باطل ترجمہ کیا تھا جبکہ بخاری کی دوسری حدیث کے الفاظ سے یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو جاتا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: وتولی عنہ أصحابہ (ح ۱۳۷۴) یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (ح ۷۲۱۶) اور صحیح مسلم کے الفاظ کے پیش نظر موصوف کی باطل تاویلات مزید بعید بلکہ بعید تر نظر آتی ہیں۔ مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: إن العبد إذا وضع في قبره وتولى عنه أصحابه إنه ليسمع قرع نعالهم قال: يأتیه ملک ان جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے منہ پھیر کر واپس پلٹتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی چاپ سنتا ہے۔ یہاں پر حدیث کا جملہ مکمل ہو جاتا ہے اور راوی بیان کرتا ہے قال: يأتیه ملک ان رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں یہ جملہ اوپر والے جملے سے بالکل الگ تھلگ ہے لہذا موصوف کی باطل تاویلات دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ نیز صحیح مسلم کی تیسری روایت اس باطل تاویل کا بھانڈا بیچ چورا ہے پھوڑ دیتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الميت إذا وضع في قبره أنه ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا))

بے شک جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے جبکہ وہ (اسے دفن کر) واپس لوٹتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۸۷۰، دارالسلام: ۷۲۱۷)

اس حدیث میں فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی نہیں ہے اور صرف دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کا ذکر ہے لہذا اس حدیث سے وہ باطل مفروضہ پاش پاش ہو جاتا ہے مگر افسوس کہ جو لوگ قرآن و حدیث کے بجائے ڈاکٹر عثمانی پر ایمان رکھتے ہیں تو وہ ڈاکٹر

موصوف کی اس باطل تاویل کو درست مانتے ہیں اور صحیح حدیث کو رد کرتے ہیں۔
چوتھی حدیث: سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کے پاس آئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اس وقت سورج کو گرہن لگ گیا تھا اور لوگ
کھڑے نماز ادا کر رہے تھے..... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو
اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائی کی پھر فرمایا: جو چیزیں میں نے اب تک نہیں دیکھی تھیں وہ آج
اس مقام پر دیکھ لی ہیں یہاں تک کہ جہنم اور جنت بھی دیکھ لی اور مجھ پر وحی آئی کہ قبروں میں
دجال کی مثل یا فتنہ دجال کے قریب تمہاری آزمائش ہوگی۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ قبر میں تم
میں سے ایک کے پاس فرشتہ آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تو اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا
اعتقاد رکھتا تھا؟ مومن یا موقن (یقین کرنے والا) کہتا ہے وہ اللہ کے (سچے) رسول ہیں۔
وہ ہمارے پاس دلیلیں اور ہدایت کی باتیں لے کر آئے تھے۔ ہم نے انھیں مان لیا اور ان پر
ایمان لے آئے اور ان کی پیروی اختیار کی پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آرام سے سو جا، ہم
جانتے تھے کہ تو ایمان والا ہے۔ اور منافق یا مرتاب (شک کرنے والا) کہے گا کہ میں نہیں
جانتا میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۰۵۳)

پانچویں حدیث: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک
مرتبہ بنو نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدکا اور قریب تھا
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دے، ناگہاں چھ یا پانچ یا چار قبریں معلوم ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں (جانتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے پوچھا کہ یہ کب مرے ہیں؟ وہ بولا شرک کے زمانے میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((إن هذا الأمة تبسلى في قبورها فلو لا أن لا تدافنوا للدعوت الله أن
يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه)) یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی
ہے پس اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم (مردوں کو) دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ
سے یہ دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی قبر کا عذاب سنا دے جس طرح میں سنتا ہوں۔

اس کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ ہم نے کہا کہ ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہو۔ ہم نے کہا: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ظاہر اور باطن فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔ ہم نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ ہم نے کہا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۷، دارالسلام: ۷۲۱۳)

اس حدیث کو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/۲۹۶، ۲۹۵، ۱۴۱۵۲ ح، وسندہ صحیح) اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/۱۱۴ ح، ۱۲۱۳۳، وسندہ صحیح، سنن النسائی ۱۰۲/۲۰۶۰ ح، ۲۰۶۰) بھی بیان کرتے ہیں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات میں یہ واقعہ مروی ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ میت کو اسی قبر میں عذاب ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی یہ تمنا تھی کہ جس طرح آپ ﷺ عذاب قبر سنتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی عذاب قبر سنے لیکن پھر اس خوف سے کہ لوگ عذاب کو سن کر مردے دفن کرنا چھوڑ دیں گے لہذا آپ ﷺ نے یہ دعائے فرمائی۔ ظاہر ہے کہ مردے اسی قبر میں ہی دفن ہوتے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے اس تمنا کا اظہار فرمایا۔

چھٹی حدیث: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی پھر اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ پس عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((نعم عذاب القبر حق)) جی ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے ہمیشہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز بھی نہیں پڑھی مگر اس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی۔ (صحیح بخاری: ۱۳۷۲)

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مدینہ کے یہودیوں کی دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ”إن أهل القبور يعذبون في قبورهم“ بے شک قبر والے اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں۔

پس میں نے ان عورتوں کو جھوٹا قرار دیا اور مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں ان کی بات مانوں۔ پھر وہ عورتیں چلی گئیں اور نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئی تھیں اور میں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((صدقنا أنهم يعذبون عذاباً تسمعه البهائم كلها)) ان دونوں نے سچ کہا ہے، بے شک قبر والوں کو (ان کی قبروں میں) عذاب ہوتا ہے جسے تمام چوپائے سنتے ہیں۔ پس اس (واقعہ) کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی۔ (صحیح بخاری: ۶۳۶۶)

(۱) اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ مردوں کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔
(۲) اس عذاب کو تمام چوپائے سنتے ہیں۔

ساتویں حدیث: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دو قبروں پر سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور انھیں (تمھارے نزدیک) کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا بلکہ ان میں سے ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک تروتازہ ٹہنی لی اور اسے درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں ان دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف کر دے گا۔“ (بخاری: ۲۱۶۰ و مسلم: ۲۹۲/۱۱۱، دارالسلام: ۶۷۷)

صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر میں نبی ﷺ کی دعا اور شفاعت کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ (صحیح مسلم: ۳۰۱۲، دارالسلام: ۷۱۸)

ان احادیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) میت کو عذاب اسی قبر میں ہوتا ہے اور ان احادیث میں یہی عام قانون بیان ہوا ہے۔ منکرین عذاب القبر چند استثنائی صورتیں ذکر کر کے جو عذاب القبر کا انکار کرتے ہیں تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اس طرح منکرین عذاب القبر اپنی عقل پر تو ایمان رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث کا انکار کرتے ہیں اور عملاً وہ اپنے نفس کی پوجا کر رہے ہیں۔

(۲) عذاب القبر میت کو ہوتا ہے زندہ کو نہیں اور میت کا مطلب ہے مردہ، لاش کہ جس میں روح موجود نہیں ہوتی اور احادیث میں قبر کے عذاب کا ذکر میت ہی کے متعلق ہوا ہے۔ لیکن منکرین عذاب القبر کا خیال ہے کہ بغیر روح کے عذاب کیا معنی رکھتا ہے گویا منکرین عذاب قبر احادیث پر نہیں بلکہ اپنی عقل نارسا پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۳) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت عذاب کی وجہ سے چیختی چلاتی ہے اور اس کے چیخنے چلانے کی آواز جن اور انسان کے علاوہ قریب کی ساری مخلوق سنتی ہے اور جن و انسان چونکہ مکلف مخلوق ہے اس لئے ان کو عذاب کا سنانا مصلحت کے خلاف ہے البتہ کبھی کبھی عذاب قبر کی کوئی جھلک اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھائی دیتا ہے، جس کی گواہی اخبارات اکثر دیتے رہتے ہیں۔

آٹھویں حدیث: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب میت کو چار پائی پر رکھ دیا جاتا ہے اور مرداس کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر میت نیک ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ مجھے آگے لے چلو اور اگر وہ نیک نہیں ہوتی تو اپنے گھر والوں سے کہتی ہے: ہائے بربادی مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ اس میت کی آواز ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے اور اگر وہ سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۸۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ”جب نیک آدمی کو اس کی چار پائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے آگے لے چلو، مجھے آگے لے چلو اور جب برے آدمی کو اس کی چار پائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہائے بربادی و افسوس مجھے تم کہاں لے جا رہے ہو؟“

(سنن النسائي: ۱۹۰۹، وسند حسن وصحہ ابن حبان، الموارد: ۷۴)

اور بیہقی کی روایت میں مومن اور کافر کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۱)
اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عذاب میت کو ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا
کہ میت گفتگو کرتی ہے اور عذاب کے آثار کو دیکھ کر چیختی چلاتی ہے جسے انسان کے علاوہ ہر
چیز سنتی ہے۔ چونکہ انسان و جنات کو عذاب سنانا مصلحت کے خلاف ہے، اس لئے ان سے
اس عذاب کو پردہ غیب میں رکھا گیا ہے، لہذا یہ مکلف مخلوق اس عذاب کو نہیں سن سکتی۔

قبر کا تعلق آخرت سے ہے

جب عذاب القبر کی احادیث ذکر کی جاتی ہیں تو منکرین عذاب القبر ان احادیث پر
ایمان لانے کے بجائے الٹا ان پر عقلی قسم کے اعتراضات شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ اگر عذاب القبر کی احادیث کو مان لیا جائے تو اس طرح پھر ہمیں تیسری زندگی کا قائل
ہونا پڑے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ قبر کا مردہ اب زندہ ہو چکا ہے۔ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور یہ
بات قرآن کریم کے خلاف ہے حالانکہ اگر یہ عقل کے پجاری قرآن و حدیث پر ایمان لے
آتے تو انھیں قرآن و حدیث میں یہ بات ملتی کہ قبر کا تعلق دنیا یا دنیاوی زندگی سے نہیں بلکہ
آخرت کے ساتھ ہے اور دنیا سے اب ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ مردہ کو کوئی شخص بھی قبر
میں زندہ نہیں مانتا یعنی دنیاوی زندگی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور اگر کسی نے ان کی زندگی کا
ذکر کیا ہے تو اس سے مراد ”برزخی زندگی“ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾
اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدم (مضبوط) رکھتا ہے قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی
میں اور آخرت میں بھی، اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا
کرتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۷)

نبی ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ عذاب القبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۶۹، صحیح مسلم: ۲۸۷۱، دار السلام: ۲۱۹، واللفظ لہ)

اس آیت میں دو مقامات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی دنیا اور آخرت جہاں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ثابت قدم اور مضبوط رکھتا ہے اور نبی ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ قبر کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے کیونکہ یہ آیت عذاب القبر کے متعلق نازل ہوئی۔ ایک اور حدیث میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: ((استغفروا لأخيكم ثم سلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل.)) نبی ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہوتے (یعنی قبر کے پاس) پھر فرماتے: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ (ابوداؤد: ۳۲۲۱، وسندہ حسن وصحیح الحاكم فی المستدرک ۱/۳۷۰ ووافقه الذہبی)

یہ روایت بھی درج بالا آیت کی پوری طرح وضاحت اور تشریح بیان کرتی ہے۔
(۲) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ((ما من نبی یمرض إلا خیر بین الدنيا والآخرة))
ہر نبی کو مرض موت میں دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔

(بخاری: ۴۵۸۶ واللفظ لہ، مسلم: ۲۴۴۴)
یعنی اگر وہ چاہے تو ایک مدت تک دنیا میں مزید قیام کر لے اور چاہے تو آخرت کے قیام کو اختیار کر لے۔ اس حدیث میں بھی موت کے بعد کی زندگی کو آخرت قرار دیا گیا ہے۔
(۳) سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنَّ القبر أول منزل من منازل الآخرة)) قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

(الترمذی: ۲۳۰۸ وقال: حسن غریب، وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۴۲۶۷ وصحیح الذہبی فی تلخیص المستدرک ۱/۳۷۰)
(۴) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:
”فجمع الله بين ربيقي وريقه في آخر يوم من الدنيا و أول يوم من الآخرة.“
پس اللہ تعالیٰ نے میرے اور آپ ﷺ کے لعاب کو آپ ﷺ کے دنیا کے آخری دن اور

آخرت کے پہلے دن جمع فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۴۴۵۱)
ان احادیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موت کے بعد کے لئے آخرت کا نام ایک جانی پہچانی حقیقت تھی۔

قرآن وحدیث میں مرنے کے بعد کے لئے اور قیامت کے دن کے لئے آخرت کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ البتہ بعض اہل علم نے مرنے کے بعد سے قیامت تک کے احوال کیلئے برزخی زندگی اور عالم برزخ کی اصطلاح ایجاد کی ہے۔ تا کہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کے وقفہ اور قیامت کے دن دونوں میں فرق واضح ہو جائے ورنہ مرنے کے بعد کے لئے آخرت کی اصطلاح ہی استعمال کرنا زیادہ درست ہے۔

[چند فوائد: عذاب قبر کا عقیدہ اتنا اہم ہے کہ علمائے کرام نے اس پر کتابیں لکھی ہیں اور کئی علماء نے اس مسئلے پر ابواب مقرر کئے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: صحیح بخاری (کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر: ۸۷/قبل ج ۱۳۶۹)

۲: سنن ابی داود (کتاب النبی باب المسأله فی القبر وعذاب القبر/قبل ج ۴۷۵۰)

۳: سنن الترمذی (کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر: ۷۰/قبل ج ۱۰۷۱)

۴: سنن النسائی (کتاب الاستعاذۃ باب الاستعاذۃ من عذاب القبر: ۵۱/قبل ج ۵۵۱۶)

۵: عذاب القبر للبیہقی (یہ مستقل کتاب عربی میں مطبوع ہے۔)

۶: عذاب قبر (تصنیف: محمد ارشد کمال)

اردو زبان میں ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب حفظہ اللہ کی کتابوں کے بعد یہ کتاب بہت مفید ہے۔ یاد رہے کہ عذاب قبر والی احادیث متواتر ہیں۔

(دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ بتحقیق الالبانی ص ۴۵۰، ۴۵۱، نظم المتن شرمن الحدیث المتواتر للکلتانی ص ۱۳۲)

تمام اہل سنت اہل حدیث اسی عقیدے کے قائل ہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ بتحقیق احمد شاکر ص ۳۵۳)
پاکستان میں منکرین عذاب قبر کا بڑا لیڈر ڈاکٹر مسعود حسن عثمانی تھا جو علانیہ امام احمد بن حنبل وغیرہ علمائے حق کی تکفیر کرتا تھا اور اسی عقیدے پر کراچی میں مرکر ارضی قبر میں پہنچ گیا۔]

محمد صدیق رضا

اُمّتِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور شرک

شرک کی تعریف: مسئلہ زیر بحث کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اور اصل جواب کے حصول کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ”شرک“ کسے کہتے ہیں اور ”شرک“ کی تعریف کیا ہے؟ لغوی طور پر ”شرک“ کے معنی ہیں ”حصہ“ مشہور لغوی علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

”شِرْک: الشِّرْکَةُ و الشِّرْکَةُ سَوَاءٌ: مخالطة الشریکین..... وفي الحديث: مَنْ اُعْتَقَ شِرْکًا لَهْ فِي عَبْدٍ اَي حَصَةً وَ نَصِیْبًا - وفي حديث معاذ: اَنَّهُ اُجَازِبِینَ اَهْلَ الْیَمَنِ الشِّرْکَ - اَي الْاِشْتِرَاکَ فِی الْاَرْضِ ، وَهُوَ اَنْ یُدْفَعَهَا صَاحِبِهَا اِلٰی آخَرٍ بِالنِّصْفِ اَوْ الثَّلَاثِ اَوْ نَحْوِ ذَلِکَ “ شرک۔ شرکت اور الشِّرْکَ ایک ہی ہیں۔ اس کے معنی شریکوں کا ملنا۔ گڈ ہونا..... اور حدیث میں ہے جس کسی نے غلام میں اپنا ”شرک“ آزاد کر دیا یعنی اپنا حصہ چھوڑ دیا اور سیدنا معاذ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے فرمان میں ہے کہ انھوں نے اہل یمن کے درمیان ”شرک“ کی اجازت دی یعنی زمین میں اشتراک کی اجازت دی اور وہ یہ کہ زمین والا/ زمیندار اپنی زمین کسی اور کو کام کرنے کے لئے دے پھر کبھی میں سے آدھے حصے کے بدلے یا تہائی وغیرہ حصہ کے بدلے یا اسی طرح دے دے۔ (لسان العرب ج ۷ ص ۹۹ دوسرا نسخہ ج ۱۰ ص ۴۳۸، ۴۳۹، مادہ: شرک)

لغت کی معروف کتاب ”المعجم الوسیط“ میں لکھا ہے:

”و۔ فلاناً فی الامرِ شِرْکًا..... کان لکلّ منہما نصیب منہ - فهو شریک“ (شرک کے معنی ہیں حصہ جیسے کہا جاتا ہے) فلاں شخص فلاں معاملہ میں شریک ہے۔ (تو اس کا مطلب) دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس معاملہ میں کچھ حصہ ہے پس وہ ”شریک“ ہوا۔ (۴۸۰/۱) اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک کے معنی ہیں حصہ اور شریک کے معنی ہیں حصہ دار۔

اب اگر دو برابر کے حصہ دار ہوں تب بھی انھیں شریک یا حصہ دار کہا جائے گا اور کوئی برابر کا حصہ دار نہ بھی ہو بلکہ تہائی یا چوتھائی یا اس سے بھی کم کا حصہ دار ہو تب بھی اسے شریک یا حصہ دار ہی کہا جائے گا۔

کوئی عقلمند انسان یہ نہیں کہے گا کہ جناب فلاں شخص تو محض تہائی یا چوتھائی کا حصہ دار ہے، یہ کوئی حصہ یا شراکت تو نہ ہوئی لہذا اس کو ”شریک“ نہیں کہیں گے، ہرگز نہیں! بلکہ معمولی عقل و خرد کا حامل فرد بھی اسے حصہ دار و شریک ہی سمجھے اور کہے گا۔

اس لغوی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شرک صرف یہ نہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے بالکل برابر سمجھا جائے یا غیر اللہ کے ساتھ بالکل برابر کا معاملہ رکھا جائے جیسا کہ بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ پھر اسی ”بالکل برابری“ کا خاکہ ذہن میں رکھتے ہوئے خود بھی دھوکہ و فریب میں مبتلا ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو بھی اسی فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں اور عجیب عجیب مثالیں بیان کرنے لگتے ہیں جیسے بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ ”دیکھیں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ”لامحدود“ ہیں نہ کوئی انھیں شمار میں لاسکتا ہے، نہ ان کی حدود متعین کر سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے میں کوئی صفت کتنی ہی زیادہ مانے مگر وہ محدود مانے تو شرک نہیں، چونکہ اللہ کی صفات لامحدود ہیں لہذا برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب برابری نہیں تو شرک کہاں رہا؟ اور اسے شرک قرار دینے والے گویا اللہ تعالیٰ کی صفات کی حدود متعین کرنے والے ہیں سو یہ خود کفر ہے!“ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب شیطانی وساوس ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور نور کو بنایا پھر بھی جنھوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں۔ (ترجمہ از ضیاء القرآن) [الانعام: 1]

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ان کفار لوگوں نے اللہ رب العالمین کی تمام صفات

کی حدود کو جان لیا تھا؟ ان کا پورا احاطہ کر لیا تھا؟ یقیناً نہیں اور ہرگز نہیں۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ کفار اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر ٹھہرا رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں کرم شاہ الازہری بھیروی صاحب کا یہ تفسیری نوٹ ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے کہ ”اس کا معنی ہے اُمّی! یَجْعَلُونَ لَهُ عِدِیْلًا (مفردات) یعنی معبودانِ باطل کو خداوند تعالیٰ کا ہمسر اور اس کے برابر بنائے ہوئے ہیں۔ وہ کس طرح انھیں برابر و ہمسر بناتے تھے۔ اس کی وضاحت امام ابن جریر نے ان الفاظ میں کی ہے۔ یَعْدِلُونَ : یَجْعَلُونَ لَهُ شَرِیْکًا فِی عِبَادَتِهِمْ اِیَّاهُ فِیْعَبْدُونَ مَعَهُ الْاِلٰهَۃَ وَالْاَنْدَادَ ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے باطل خداؤں کی بھی عبادت کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے برابر و ہمسر یقین کیا جا رہا ہے۔“ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۵۳۳)

فریق ثانی کے ”نامور پیر“ کرم شاہ الازہری صاحب کے اس فرمان سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ”برابر“ کا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ پوری طرح سے برابر مان لیا جائے کہ جس سے (معاذ اللہ) اللہ عزوجل کی صفات کی حدود کا تعین اور ان کا احاطہ لازم آئے۔ بلکہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا ہی برابر و ہمسر جاننے کے لئے کافی ہے اور یہ شرک کی بدترین اقسام میں سے ہے۔

اب یہ عبادت خواہ عبادت کی مختلف اقسام میں سے کسی بھی قسم کی عبادت ہو۔ قیام رکوع، سجدہ، قربانی، نذر، دعا وغیرہ۔ قرآن و سنت میں اس کی بہت سے مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم چند ایک کو بیان کئے دیتے ہیں تاکہ بات قدرے واضح ہو جائے:

پہلی مثال: شرک فی الدین

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّینِ﴾ (اللہ نے) تمہارے لئے دین مقرر کیا۔ (الشوری: ۱۳)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اللہ نے بنائی اور جو لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے

علاوہ اپنے بزرگوں اور اکابر کے قوانین کی پیروی کر رہے تھے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ کیا ان کے لئے کچھ
”شرکاء“ ہیں؟ جنہوں نے ان کے لئے دین مقرر کیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

(شوری: ۲۱)

حافظ امام ابو الفداء اسماعیل بن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
یعنی (اے نبی ﷺ) یہ کفار اس ”دینِ قوم“ (اسلام) کی پیروی نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ
نے آپ کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بلکہ یہ تو اس چیز کی پیروی کر رہے ہیں جو جن و انس میں
سے ان کے شیاطین نے ان کے لئے مقرر کی۔ تحریم (حرام کرنے) میں سے جو ان پر حرام
کیا جیسے (انہوں نے) بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام (کو حرام کیا) اور ان پر مردار، خون اور جو
کو حلال قرار دیا، اسی طرح کی دیگر گمراہیاں باطل جہالتیں جو انہوں نے اپنی جاہلیت میں
گھڑ رکھی تھیں حلت و حرمت میں سے اور باطل عبادات اور فاسد باتیں۔

صحیح بخاری (۳۵۲۱ و صحیح مسلم: ۲۸۵۶) میں یہ حدیث ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: ”میں نے عمرو بن لُحی کو جہنم میں دیکھا، وہ اپنی آنٹیں گھسیٹ رہا تھا، چونکہ یہ پہلا
شخص ہے جس نے سائبہ کی رسم ایجاد کی تھی“ (یعنی جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دینے
کی رسم) یہ شخص خزاعہ قبیلے کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ
سب کام کئے، اسی نے قریش کو بتوں کی پوجا پراکسایا، اللہ اس پر لعنت کرے اور اس کا بُرا ہو۔
(تفسیر ابن کثیر ۴/۵۹۷)

[۱] (۱) بحیرہ و سائبہ وغیرہما کے متعلق مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں، ہم صحیح بخاری کتاب
التفسیر سے جلیل القدر تابعی سیدنا سعید بن المسیب نے جو معنی نقل کئے ہیں وہ درج کر دیتے ہیں:
(۲) بحیرہ: وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے وقف کر دیا جاتا، تو کوئی اس کا دودھ
نہ دوہتا۔ (۳) سائبہ: وہ اونٹنی جسے کفار اپنے آلہ (معبودانِ باطلہ) کے لئے چھوڑ
دیتے، ان سے بار برداری کا کام نہ لیتے تھے۔

(۴) وصیلہ: وہ جوان اونٹنی جو پہلی مرتبہ اور پھر دوسری مرتبہ بھی مادہ بچہ جنتی ہے، درمیان میں نہ بچہ نہ جنے بلکہ پے در پے مادہ بچے جنے تو مشرکین اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔
(۱۵) حام: وہ نراونٹ کہ جس کی جفتی سے اونٹنی سے ہونے والے بچوں کی پیدائش کی تعداد مقرر کر لیتے، جب وہ تعداد پوری ہو جاتی تو اسے وہ کفار اپنے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، اس نراونٹ کو بھی بار برداری وغیرہ سے چھٹی مل جاتی۔ (صحیح البخاری: ۴۶۲۳) [

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قانون سازی، شریعت سازی اللہ کی صفت ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے شریعت بنائی۔ لیکن مشرکین نے اس صفت میں شریک ٹھہرایا اور اپنے بڑوں کے بنائے ہوئے قوانین (شریعت) کی پیروی کی تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفت تشریع میں شرک ہوا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شرکاء کا لفظ بیان فرما کر ان کے اس ”شرک“ کو واضح کیا اور اسے شرک قرار دیا۔

یہاں ان مشرکین کا اپنے بزرگوں کو ہر لحاظ سے اللہ کے برابر سمجھنے کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ قرآن و سنت ہی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک مانتے تھے۔ (جیسا کہ آگے آ رہا ہے/ ان شاء اللہ) لہذا برابر سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
دوسری مثال: کعبہ کی قسم

سیدہ قتیلہ بنت صفی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں کہ (یہود کے) علماء میں سے ایک عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ کیا ہی خوب قوم ہیں اگر آپ (کی قوم کے لوگ) شرک نہ کریں! تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر تعجب کیا اور فرمایا: سبحان اللہ (یعنی اللہ کی ذات کو ہم شرک سے منزہ جانتے ہیں) وہ کیا چیز ہے؟ (جسے تم شرک کہہ رہے ہو) تو یہودی عالم نے کہا: آپ لوگ جب قسم کھاتے ہیں تو کہتے ہیں: ”وَالْغُصْبَةِ“ کعبہ کی قسم! اس بات پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر توقف فرمایا.... اس کے بعد فرمایا: تم میں سے جو کوئی قسم کھائے وہ اس طرح کہے کہ ”رب کعبہ کی قسم“ (یہودی) عالم نے دوبارہ کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ کیا ہی خوب قوم ہیں اگر آپ (کی

قوم) اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ کیا ہے؟ تو اس یہودی نے کہا آپ لوگ کہتے ہیں ”ماشاء اللہ و شئت“ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ اس پر آپ ﷺ کچھ دیر ٹھہرے پھر فرمایا: جو کوئی اس طرح کہنا چاہے تو وہ ”ماشاء اللہ“ اور ”شئت“ کے درمیان ثم کے ذریعے فصل (علیحدگی) کرے۔
یعنی یوں کہے کہ ”ماشاء اللہ ثم شئت“ جو اللہ چاہے پھر جو آپ چاہیں، نہ کہ اس طرح: ”جو اللہ اور آپ چاہیں“

(مسند احمد ۶/۲۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۲۷۳، النسائی: ۳۸۰۴، وسندہ صحیح، وصحیح الجامع ۴/۲۹۷، ۸۱۵ ح ۷۱۵، ووافقه الذہبی)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے دوران میں اس یہودی عالم نے جب کعبہ کی قسم کھانے کو شرک قرار دیا تو آپ ﷺ نے اس کی اس بات کی تردید نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے جملہ اہل اسلام کو آئندہ اس طرح کی قسم کھانے سے منع فرما دیا اور فرمایا: کعبہ کی قسم کے بجائے رب کعبہ کی قسم کھاؤ۔

اب جو مسلمان کعبہ کی قسم کھایا کرتے تھے، کیا کوئی ایمان والا ان کے متعلق یہ بدگمانی کر سکتا ہے کہ نعوذ باللہ وہ کعبہ کو ذات یا صفات کے اعتبار سے اللہ رب العالمین کے بالکل برابر سمجھتے تھے؟ ہرگز نہیں، ایمان والا تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، اس کے باوجود اس قسم کو شرک قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ”شرک“ صرف یہ نہیں کہ ”کسی کو ذات یا صفات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بالکل برابر سمجھا جائے“، اگر ایسا ہی ہوتا اور ”شرک“ کی صرف یہی صورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس یہودی عالم پر یہ ضرور واضح فرما دیتے کہ اس کو شرک قرار دینا تمھاری کم علمی اور غلط فہمی ہے کیونکہ اس میں تو ”شرک“ والی کوئی بات نہیں۔

شذرات الذہب سنت اور سلف صالحین سید تنویر الحق ہزاروی
سید الفقہاء امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ کی حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ثابت ہو جائیں تو اسود (بن یزید التابعی) وغیرہ کے اقوال و افعال میں حجت باقی نہیں رہتی۔ (نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری ص ۹۳)

ابن بشیر الحسینی

زکوٰۃ کے احکام

انتہائی اختصار کے ساتھ کتاب و سنت کی روشنی میں زکوٰۃ کے بعض احکام پیش خدمت ہیں:
۱۔ اہمیت زکوٰۃ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾
(اے پیغمبر!) آپ ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کریں تاکہ آپ انہیں پاک کر دیں۔
(التوبہ: ۱۰۳)

زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے ہے۔ (صحیح بخاری: ۸، صحیح مسلم: ۱۶)
نبی ﷺ نے فرمایا: ”جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا لیکن اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال زہر لیے گئے سانپ کی شکل اختیار کرے گا جس کی آنکھوں پر دوسیاہ نقطے ہوں گے اور وہ اس کے گلے کا ہار ہوگا، وہ اس کے دونوں جبروں کو پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں“ (صحیح بخاری: ۱۴۰۳)

جانوروں کی زکوٰۃ کے احکام

۱: جانوروں کی زکوٰۃ کے اجماعی مسائل

امام ابن المذہب فرماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ اونٹ، گائے اور بکریوں میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اجماع ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ اجماع ہے کہ چالیس بکریوں سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ اجماع ہے کہ چالیس سے ایک سو بیس بکریوں تک کی زکوٰۃ ایک بکری ہے اور دو سو بکریوں تک کی زکوٰۃ دو بکریاں۔ اجماع ہے کہ (زکوٰۃ میں) بھینس گائے کے حکم میں ہے۔ اجماع ہے کہ بھیڑ اور دنبہ زکوٰۃ میں مشترک ہیں (یعنی دونوں کی مشترک تعداد فرض زکوٰۃ کی معینہ تعداد کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگئی، یاد رہے کہ بھیڑ دنبہ کا حکم بکریوں کا حکم ہے) اجماع ہے کہ (زکوٰۃ میں) اونٹ کا شمار بکری یا گائے

کے ساتھ نہیں ہوگا، نہ گائے کا شمار اونٹ اور بکری کے ساتھ ہوگا، لہذا جب تک تینوں قسمیں الگ الگ اپنی معینہ مقدار و تعداد کو نہ پہنچ جائیں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔“

(کتاب الامجاع ۳۳/۳۴ مترجم)

۲: اونٹوں کی زکوٰۃ

پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس پر اجماع ہے۔ کما تقدم جب اونٹوں کی تعداد پانچ ہو جائے تو ان پر ایک بکری اور پھر چوبیس اونٹوں تک کی زکوٰۃ بکریوں کی صورت میں ادا کی جائے گی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچ سے نو تک ایک بکری، دس سے چودہ تک دو بکریاں، پندرہ سے انیس تک تین بکریاں، اور بیس سے چوبیس تک چار بکریاں زکوٰۃ میں لی جائیں گی۔

جب اونٹوں کی تعداد پچیس ہو جائے تو ان میں ایک سال کی اونٹنی یا دو سال کا اونٹ ہے۔ چھتیس اونٹوں میں دو سال کی اونٹنی ہے۔ چھیالیس اونٹوں میں تین سال کی اونٹنی ہے۔ اکسٹھ اونٹوں میں چار سال کی اونٹنی ہے۔ چھتر اونٹوں میں دو دو سال کی دو اونٹنیاں ہیں۔ اکانوے سے ایک سو بیس تک تین تین سال کی دو اونٹنیاں ہیں۔ اگر تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس پر دو سال کی اونٹنی اور ہر پچاس پر تین سال کی اونٹنی لازم آئے گی۔ (بخاری: ۱۲۵۳، ۱۲۵۴)

۳: گائے (اور بھینس) کی زکوٰۃ

تیس گائیوں پر ایک سالہ مادہ گائے یا نر چھتر زکوٰۃ ہے۔ چالیس گائیوں پر دو سال کا بیل یا گائے واجب ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲۸/۳ ح ۹۹۳۳ عن الحکم بن عتیبہ وحماد بن ابی سلیمان من قولہما وسندہ صحیح) جانوروں کی زکوٰۃ کی دو شرطیں ہیں: (۱) نصاب کو پہنچنے کے بعد ان پر ایک سال گزر جائے۔ (۲) ان کی پرورش کا سارا سال یا سال کے اکثر حصے میں جنگلوں، پہاڑوں یا سبز میدانوں میں چرانے پر ہوئی ہو اگر زیادہ انحصار چرانے پر ہو لیکن کبھی کبھار گھر پر بھی چارا

- ڈالا جائے تو زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
- ۴۔ بکریوں (بھیڑوں اور دنبوں) کی زکوٰۃ
- چالیس بکریوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے [اس پر اجماع بھی ہے (کما تقدّم)]
- چالیس سے ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری ہے۔
- ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بکریاں ہیں۔ پھر ہر سو پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔
- (صحیح بخاری: ۱۳۵۴)
- ۵۔ درج ذیل صفات والے جانور بطور زکوٰۃ وصول نہیں کئے جائیں گے۔
- بوڑھا، بھینگا، نرالا یہ کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص (نرلینا) مناسب سمجھے۔ (صحیح بخاری: ۱۵۵۴)
- عیب دار جانور (ابوداؤد: ۱۵۶۸، وحسن، ترمذی: ۶۲۱)
- اسی طرح بانجھ، پالتو جانور، حاملہ اور سانڈ بھی زکوٰۃ میں وصول نہ کیا جائے۔
- (موطأ ۶/۱۲۷ ح ۶۰۴، وحسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۱۰۰، وسندہ حسن)
- ۲۔ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ
- چند وہ مسائل جن پر اجماع ہے:
- امام ابن المیزر فرماتے ہیں کہ ”اجماع ہے کہ بیس مثقال سونے پر جس کی قیمت دو سو درہم ہے زکوٰۃ فرض ہے۔
- اجماع ہے کہ بیس مثقال سے کم سونے پر جس کی قیمت دو سو درہم سے کم ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔
- اجماع ہے کہ سونا، چاندی کے نامعلوم خزانے دستیاب ہونے پر پانچواں حصہ زکوٰۃ (ادا کرنا ضروری) ہے، مسئلہ سابق کا لحاظ کرتے ہوئے۔“ (کتاب الایمان ص ۳۴، ۳۵)
- سونے کا نصاب بیس دینار ہے، اس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں، زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے سال کا گزرنا بھی شرط ہے ورنہ اس پر زکوٰۃ نہیں۔
- (موطأ امام مالک ۴/۲۶۱ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما من قولہ وسندہ صحیح)

اس میں اڑھائی فی صد کے حساب سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔
چاندی کا نصاب دوسودرہم ہے، اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (بخاری: ۱۴۴۷، مسلم: ۹۷۹)
چاندی میں بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ (بخاری: ۱۴۵۴)
موجودہ دور میں سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے (ستاسی گرام) بنتا ہے کیونکہ بیس
دینار ساڑھے سات تولے ہی بنتا ہے۔
مگر بعض علماء کے نزدیک سونے کا نصاب ستر گرام مانا گیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک
بیس دینار ستر گرام بنتا ہے۔

موجودہ دور میں چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے (چھ سو بارہ گرام) بنتا ہے۔ کیونکہ ان
کے نزدیک دوسودرہم ساڑھے باون تولے بنتا ہے مگر بعض علماء کے نزدیک چاندی کا نصاب
چار سو ساٹھ گرام مانا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک دوسودرہم چار سو ساٹھ گرام بنتا ہے۔
یادر ہے کہ چاندی اور سونے کا نصاب الگ الگ ہے۔

زیورات میں بھی زکوٰۃ ہے۔ (ابوداؤد: ۱۵۶۳، وسندہ حسن، ترمذی: ۶۳۷ من طریق آخر)
یہ زکوٰۃ ہر سال ادا کرنی ہوگی۔

۳۔ مال تجارت میں زکوٰۃ

تجارت کے مال میں زکوٰۃ لازم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں:
محنت اور تجارت کے مال میں زکوٰۃ ادا کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اے ایمان والو!
اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو۔“ (البقرہ: ۲۶۷، صحیح بخاری قبل حدیث: ۱۴۴۵)
امام ابن المہذرفر ماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ مال تجارت میں سال گزر جانے پر زکوٰۃ فرض
ہے۔“ (کتاب الایماص ص ۳۶)

نیز ہر قسم کے مال تجارت میں زکوٰۃ ضروری ہے خواہ فروٹ، سبزیاں، گاڑیاں اور شوروم
وغیرہ ہوں نیز ہر قسم کے جانور جس کی بھی تجارت کی جاتی ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مال تجارت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

نقد رقم کی گنتی کی جائے پھر ہر قسم کے سامان تجارت کی قیمت کا اندازہ کر کے دونوں کو ایک جگہ جمع کر لے، اگر کسی سے قرض لینا ہے اور اس سے ملنے کی امید بھی ہے، اسے بھی موجودہ رقم میں جمع کر لے پھر جتنا کسی کو قرض دینا ہے وہ الگ کر لے، اب جو رقم باقی بچی ہے، اس میں سے اڑھائی فی صد کے حساب سے (چالیسواں) حصہ زکوٰۃ ادا کرے۔

[میمون بن مہران تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تمہارا زسکلوۃ کا وقت آئے تو اپنے سارے مال کا حساب کرو، جس قرضے کے ملنے کی امید ہے، اسے بھی شمار کرو اور پھر تم پر جو قرض ہے اسے منہا کر کے نکال دو پھر باقی کی زکوٰۃ ادا کرو۔ کتاب الاموال لابی عبید: ۱۲۱۹، وسندہ حسن]

ہر وہ چیز جو تجارت کے لئے نہیں بلکہ صرف ذاتی استعمال کے لئے ہے مثلاً گھریا دکان کی عمارت، مشینری، فرنیچر وغیرہ اور جن کی خرید و فروخت نہیں کی جاتی، ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہی چیزیں تجارت کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے نیز آلات تجارت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۴۔ ہر قسم کے پھل اور ہر جنس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

ہر پھل اور کھیتی جو زمین سے پیدا ہوتی ہے اس سے زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کثائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔“ (الانعام: ۱۴۱)

زرعی پیداوار میں زکوٰۃ ادا کرنے کو عشر کہا جاتا ہے۔

عشر ادا کرنے کا طریقہ

جو زمین نہروں اور آسمانی بارش کے ذریعے سے سیراب ہوتی ہے اس میں سے دسواں حصہ نکالا جائے گا اور جس زمین کو جانوروں (وغیرہ) کے ذریعے سے سیراب کیا جاتا ہے اس میں سے بیسواں حصہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۸۱)

ایک حدیث میں ہے کہ ”وہ زمین جو آسمان یا چشمے سے سیراب ہوتی ہے یا وہ خود نمی کی وجہ سے سیراب ہو جاتی ہے تو اس کی پیداوار میں سے دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور جسے کنویں سے

پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے اس کی پیداوار میں سے بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۸۳)
یاد رہے کہ وہ زمینیں جن کو ایسا پانی دیا جاتا ہے جو مشقت سے حاصل ہوتا ہے یا جس پر بل وغیرہ ادا کیا جاتا ہے اس میں سے بھی بیسواں حصہ ہے اور نہری پانی بھی اسی میں سے ہے کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے اس پر سالانہ ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ ایسی فصل کی پیداوار پر بیسواں حصہ زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

لیکن جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں قدرتی ذرائع سے مثلاً چشمہ، بارش وغیرہ یا جس پانی کے حاصل کرنے پر مشقت نہ ہوئی ہو یا اس پر بل بھی لاگو نہ آتا ہو تو اس زمین کی پیداوار پر دسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ یہ اکثریت پر محمول ہے یعنی اگر چشموں سے سیراب ہونے والی زمین کو کبھی کبھار ٹیوب ویل وغیرہ کا پانی بھی لگا دیا جائے تو اس میں دسواں حصہ ہی ہے۔

اسی طرح ٹیوب ویل کے ذریعے سے سیراب ہونے والی زمینیں کبھی کبھار چشموں وغیرہ سے سیراب ہو جائیں تو اس پر بیسواں حصہ ہی ہے۔

تنبیہ: فصل کٹتے ہی اس کی زکوٰۃ (عشر) نکالی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔ (الانعام: ۱۴۱)

۱: شہد میں دسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو مضعان کے بلال (رضی اللہ عنہ)
رسول اللہ ﷺ کے پاس شہد کا دسواں حصہ لے کر آئے۔ الخ (سنن ابی داود: ۱۶۰۰، وسندہ حسن)
۵۔ اگر جاہلیت کے زمانے کا زمین میں مدفون خزانہ ملے تو اس پر بھی بطور زکوٰۃ پانچواں حصہ دینا ضروری ہے۔ خواہ اس کے حاصل کرنے پر کوئی مشقت نہ اٹھائی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اور رکاز (دیفینے) میں پانچواں حصہ لیا جائے گا۔“

(صحیح بخاری: ۱۴۹۹، صحیح مسلم: ۱۷۱۰)

تنبیہ: یاد رہے اس میں سال اور نصاب کی کوئی شرط نہیں ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (قبل ج ۱۳۹۹)
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ”جمہور علماء کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ (رکاز میں) سال کا عرصہ

گزرنے کی شرط نہیں لگائی جائے گی بلکہ فی الوقت پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے۔“
(فتح الباری ۳/۳۶۵)

۱۲۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”صدقات صرف

(۱) فقیروں کے لئے ہیں۔ (۲) اور مسکینوں کے لئے (۳) اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے (۴) اور ان کے لئے جن کے دلوں میں الفت ڈالنا مقصود ہو۔ (۵) اور گردن چھڑانے (غلام آزاد کرنے) میں (۶) قرض داروں کے لئے (۷) اور اللہ کی راہ میں (۸) اور راستے پر چلنے والے مسافروں کے لئے فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔“ (التوبہ: ۶۰)

فائدہ: ان آٹھ قسموں میں سے کسی ایک کو صدقہ دیا جاسکتا ہے۔ دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔“ (صحیح بخاری: ۱۳۹۵، صحیح مسلم: ۱۹)

[قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ و صدقات دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کے اہل و عیال میں سے نہ ہوں۔ (ابن ابی شیبہ ۱۹۲۳ ج ۱۰۵۳۶، عطاء بن ابی رباح و سندہ صحیح)

واضح رہے کہ قریبی رشتہ داروں کو صدقہ و خیرات دینا دوہرے اجر کا سبب ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، صحیح مسلم: ۱۰۰۰، ۱۰۰۱)

۱۳۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب پر زکوٰۃ حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”صدقہ (زکوٰۃ) آلِ محمد کے لئے جائز نہیں، یہ تو لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۰۷۲)

ایک روایت میں ہے: ”یہ محمد ﷺ اور آلِ محمد کیلئے حلال نہیں۔“

(صحیح مسلم: ۱۰۷۲، دار السلام: ۲۴۸۲)

۱۴۔ خاوند اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

امام ابن المنذر فرماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ شوہر بیوی کو مالِ زکوٰۃ نہیں دے سکتا، کیونکہ اس کے اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں، شوہر کی تو انگری و بے نیازی بیوی کی تو انگری و بے نیازی ہے۔ (کتاب الایمان: ۱۲۰)

۱۵۔ اولاد والدین کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

امام ابن المنذر فرماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ زکوٰۃ والدین کو نہیں دی جائے گی، نیز اولاد میں سے جن کے اخراجات کا ذمہ دار باپ ہے انھیں بھی ادا نہیں کرے گا۔“ (کتاب الایمان: ۱۱۹)

۱۶۔ بیوی خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن عید گاہ تشریف لے گئے پھر (نماز کے بعد) لوگوں کو وعظ فرمایا اور صدقہ کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: لوگو! صدقہ کرو۔ پھر آپ عورتوں کی طرف گئے اور ان سے بھی یہی فرمایا کہ عورتو! صدقہ دو کہ میں نے جہنم میں بکثرت تمہیں دیکھا ہے.....

..... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر تشریف لائیں، اجازت ملنے پر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آج آپ نے صدقہ کا حکم دیا تھا، اور میرے پاس بھی کچھ زیور ہے جسے میں صدقہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر (میرے شوہر) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ خیال ہے کہ وہ اور ان کی اولاد اس صدقہ کے ان (مساکین) سے زیادہ مستحق ہیں جن پر میں صدقہ کروں گی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کہا ہے۔ تیرا شوہر اور اس کی اولاد تیرے صدقے کی زیادہ مستحق ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۴۶۲)

بیوی اس مال سے خاوند کو صدقہ یا زکوٰۃ دے گی جو اس کی اپنی جائیداد اور ملکیت میں ہے۔

۱۷۔ صدقہ فطر کا بیان

۱: صدقہ فطر کن لوگوں پر فرض ہے؟

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے غلام،

آزاد، مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب پر صدقہ فطر فرض کیا ہے ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) کھجوروں سے اور ایک صاع جو سے اور اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ یہ فطرانہ نماز (عید) کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔“ (صحیح بخاری: ۱۵۰۳، صحیح مسلم: ۹۸۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر صدقہ فطر فرض ہے اور امام ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الایما: ۱۰۶)

۲: مذکورہ افراد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا فرض ہے۔ امام ابن المنذر فرماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ صدقہ فطر آدمی پر واجب ہے اگر اسے اپنی طرف سے اور اپنی مفلوک الحال اولاد کی طرف سے ادا کرنے کی قدرت ہو۔“ (کتاب الایما: ۱۰۷)

نیز فرماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ آدمی پر اپنے مملوکہ موجود غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔“ (کتاب الایما: ۱۰۹)

فائدہ (۱): ذمی پر اپنے مسلمان غلام کا صدقہ فطر واجب نہیں، ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الایما: ۱۰۹)

فائدہ (۲): عورت نکاح سے پہلے اپنا صدقہ فطر خود ادا کرے گی۔

امام ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الایما: ۱۱۰)

فائدہ (۳): امام ابن المنذر فرماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ جنین (بطن مادر میں موجود بچے) پر صدقہ فطر نہیں۔“ (کتاب الایما: ۱۱۱)

۳: صدقہ فطر کی مقدار

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ صدقہ فطر ایک صاع گھر کے ہر فرد کی طرف سے ادا کرنا چاہئے۔ امام ابن المنذر فرماتے ہیں: ”اجماع ہے کہ (صدقہ فطر میں) جو اور کھجور

ایک صاع سے کم جائز نہیں۔“ (کتاب الایما: ۱۱۲)

ایک صاع کا وزن تقریباً اڑھائی کلو بنتا ہے۔

۴: صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کرنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اسے نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری: ۱۵۰۳) عید سے ایک یا دو دن پہلے صدقہ فطر ادا کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۵۱۱)

۵: صدقہ فطر کن اشیاء سے نکالا جاسکتا ہے؟

کھجور، جو (صحیح بخاری: ۱۵۰۳، صحیح مسلم: ۹۸۴) گندم، کھجور، پیاز، منقہ (صحیح بخاری: ۱۵۰۶، صحیح مسلم: ۹۸۵) صدقہ فطر ادا کرنے کے مقاصد یہ ہیں: ”تا کہ روزہ دار (دوران روزہ میں کی ہوئی) لغو حرکات سے پاک ہو جائے اور مساکین کو کھانے کا سامان مل سکے۔“

(ابوداؤد: ۱۶۰۹، وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۱۸۲۷، صحیح الحاکم: ۴۲۵، ۴۲۶، ووافقه الذہبی)

معلوم ہوا کہ جو چیز بطور صدقہ فطر ادا کی جائے وہ چیز کھانے کا ذریعہ ہو۔

تنبیہ: صدقہ فطر میں جنس کی قیمت ادا کر دینا ثابت نہیں ہے چنانچہ اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ میں نقد قیمت بھی ہوا کرتی تھی مگر وہ صدقہ فطر میں جنس نکالتے تھے نہ کہ نقد۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صدقہ فطر روزمرہ کی خوراک سے ادا کرنا چاہئے۔“ (مجموع الفتاویٰ ۳۵/۲۵-۳۶)

[خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے صدقہ فطر میں ہر انسان سے آدھا درہم لینے کا حکم دیا۔ (ابن ابی شیبہ: ۴۲/۱۷۷-۱۰۳۶۸، وسندہ صحیح) ابواسحاق السبعی نے کہا: ”میں نے لوگوں کو رمضان میں صدقہ (فطر) میں کھانے کی قیمت دراہم دیتے ہوئے پایا ہے۔“ (ابن ابی شیبہ: ۱۰۳۷۱، وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ نقدی کی صورت میں بھی صدقہ فطر دیا جاسکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جنس سے دیا جائے۔ واللہ اعلم / زع]

متفرقات: مقروض آدمی پر اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا مال موجود ہے جو نصاب کو پہنچتا ہو۔

جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر زکوٰۃ واجب تھی تو وصیت اور وراثت پر عمل کرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کریں کیونکہ یہ بھی قرض کی ہی صورت بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اس وصیت

کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد، (النساء: ۱۱)

یہ قرض اللہ کا حق ہے اور اسے ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی میں سب سے زیادہ مستحق ہے۔“ (صحیح بخاری: ۱۹۵۳، صحیح مسلم: ۱۱۳۸)

اگر کسی کو قرض دیا ہے اور اس کے ملنے کی امید ہے تو اپنے پاس موجود رقم کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اگر ایسے شخص کو قرض دیا ہے جس سے ملنے کی امید ہی نہیں تو پھر اس قرض کے ملنے تک قرض شدہ مال کی زکوٰۃ کو مؤخر کر دیا جائے گا، اگر وہ قرض مل گیا تو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اگر نہ ملا تو زکوٰۃ نہیں۔ (دیکھئے فتاویٰ اسلامیہ ۲/۸۸)

عورت کا حق مہر اگر نصاب زکوٰۃ کو پہنچتا ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ جو مال حرام ذریعے سے کمایا گیا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ سونا چاندی کے علاوہ دیگر جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح، غلام، گھوڑے، گدھوں، خچروں، پالتو عاملہ (بار برداری والے) جانوروں اور آلات تجارت میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ [ختم شد]

اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس اور....

ہفت روزہ الاعتصام (ج ۵۹ شماره ۳۲، اگست ۲۰۰۷ء) میں محترم محمد خبیب احمد صاحب حفظہ اللہ کا ایک مضمون ”اہل میت کی طرف سے کھانا اور....“ شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے طبقہ ثانیہ اور کثیر قلیل تدلیس کی بحث لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ کی معنعن (عن والی) روایت صحیح ہوتی ہے۔ عرض ہے کہ اسماعیل مذکور کا مدلس ہونا تو ایک حقیقت ہے جس کے متعدد حوالے خبیب صاحب کے اسی مضمون میں موجود ہیں۔ جس راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے بارے میں راجح بات یہی ہے کہ غیر صحیحین میں اس کی معنعن روایت ضعیف و ناقابل حجت ہوتی ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۳۳ ص ۵۴، ۵۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول (الرسالۃ ص ۳۸۹، ۳۹۰) اور دیگر دلائل کی روشنی میں اختلاف کرنا مذموم نہیں ہے۔ خبیب صاحب حفظہ اللہ کا یہ فرمانا کہ ”ابن ابی خالد صرف شعی عیہ اللہ سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔“ صریح دلیل سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے قابل التفات نہیں ہے۔ [حافظ زبیر علی زئی]

حافظ ندیم ظہیر

سرور العینین پر ایک نظر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد :
حال ہی میں حافظ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب ”نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین“ کا جواب دینے کی سعی لا حاصل کی ہے کیونکہ ڈیروی صاحب نے جن باتوں کو بنیاد بنایا ہے وہ مرجوح (رجوع شدہ) یا کتابت کی غلطیاں ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم ڈیروی دیوبندی کی تحریر کا جائزہ لیں چند باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں :
(۱) فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے باقاعدہ اعلان کر رکھا ہے کہ ”میری صرف وہی کتاب معتبر ہے، جس کے ہر ایڈیشن کے آخر میں میرے دستخط مع تاریخ موجود ہوں، اس شرط کے بغیر کسی شائع شدہ کتاب کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔“

(القول المتین فی الجہر بالتائین ص ۱۲، طبع اول جنوری ۲۰۰۴ء، طبع دوم ص ۱۹، جون ۲۰۰۷ء، ماہنامہ الحدیث شمارہ ۲۷ ص ۶۰، نصر الباری فی تحقیق جزاء القراء للبخاری ص ۴۱ طبع اول اپریل ۲۰۰۵ء والثانی ستمبر ۲۰۰۶ء)

(۲) استاذ محترم حفظہ اللہ نے نور العینین طبع جدید ص ۱۴ پر لکھا ہے: ”اس کا یہی جدید ایڈیشن معتبر ہے“ نیز راقم الحروف نے بھی مقدمہ کتاب میں لکھا کہ ”اس ایڈیشن میں سابقہ تسامح وغیرہ کی تصحیح اور بعض کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے..... اب یہی ایڈیشن معتبر ہے۔“
(دیکھئے نور العینین طبع جدید ص ۱۲، نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۳ ص ۵۸)

(۳) تقریباً جولائی ۲۰۰۶ء کو ڈیروی صاحب اپنے بیٹے اور ساتھیوں کے ہمراہ مکتبۃ الحدیث حضرو ضلع اٹک آئے اور استاذ محترم حفظہ اللہ سے ملاقات کی، دوران گفتگو میں فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ڈیروی صاحب سے پوچھا: سنا ہے کہ آپ نور العینین کا جواب لکھ رہے ہیں؟ ڈیروی صاحب نے کہا: جی ہاں! تو استاذ محترم نے فرمایا: جواب لکھتے وقت اس کتاب کے جدید ایڈیشن کو پیش نظر رکھیں کیونکہ اب یہی ایڈیشن معتبر ہے۔

لیکن اس کے باوجود ڈیروی صاحب نے ان تمام باتوں کو بھی بنیاد بنایا جن سے باقاعدہ اعلان کے ذریعے سے رجوع کیا جا چکا ہے۔

اس عمل کے ارتکاب سے بچارے ڈیروی اپنی ہی تحریر کی رو سے خائن و ملبس ٹھہرے۔ ڈیروی نے خود لکھا ہے کہ ”کتنی زبردست جسارت ہے اور خیانت و تلبیس ہے کہ جو رسالہ منسوخ ہے اس کا مصنف اس عمل سے رجوع کر چکا ہے اس کی تشہیر کی جارہی ہے سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہاء معلوم“

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴)

معلوم ہوا کہ رجوع شدہ بات کی تشہیر ڈیروی کے نزدیک خیانت و تلبیس ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اب دیکھئے کہ ڈیروی صاحب کتنے بڑے خائن اور تلبیس سے کام لینے والے ہیں۔ ڈیروی صاحب لکھتے ہیں: ”فلہذا زبیر علی زئی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا کہ حافظ صلاح الدین نے سفیان ثوری کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۰) تجزیہ: حالانکہ استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے نور العینین طبع سوم، مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۲۳ پر دو ٹوک الفاظ میں وضاحت فرمائی کہ ”حافظ العلانی کا یہاں ذکر میرا وہم تھا۔ صحیح یہ ہے کہ امام حاکم کا قول ہے۔ الحمد للہ“

لیکن ڈیروی صاحب مصر ہیں کہ یہ حافظ زبیر علی زئی کا جھوٹ ہے۔ ڈیروی صاحب آپ اپنی تحریر کی رو سے خائن و ملبس ثابت ہو چکے ہیں۔

تنبیہ: حافظ العلانی کے قول سے امام حاکم کا قول بدرجہا بہتر ہے لہذا دلیل اور زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ یاد رہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے امام حاکم کو بحوالہ حافظ ذہبی ”الامام الحافظ اور الحجۃ“ لکھا ہے۔ دیکھئے احسن الکلام (ج ۱ ص ۲۳۲) لہذا امام حاکم پر ڈیروی کی نیش زنی مردود ہے۔ اب ڈیروی صاحب کی ایک دوسری تحریر کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں، شاید کہ اپنے کئے پر نادم ہو کر توبہ کر لیں!!

ڈیروی نے لکھا ہے: ”غلط بیانی اور تلبیس گناہ ہے، اس کو آپ گناہ سمجھیں گے تو یہ مرض زائل ہو سکتی ہے ورنہ زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۴۴)

ڈیروی صاحب نے مزید لکھا کہ ”مولانا زبیر علی زئی فرماتے ہیں سفیان ثوریؒ احد الاعلام علماء وزہدا (الکشف ج ۱ ص ۳۰۰) صحیح بخاری و صحیح مسلم کا راوی ہے (تقریب) طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں الا اذا ثبت واللہ اعلم (طبقات المدلسین کا مطالعہ کریں)

(جراہوں پر مسح ص ۴۰ جمع و ترتیب عبدالرشید انصاری طبع اول)“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۱)

تجزیہ: یہاں بھی ڈیروی نے اپنی سابقہ روش برقرار رکھی کیونکہ استاذ محترم حفظہ اللہ اس عبارت سے براءت کا اعلان فرما چکے ہیں جو کہ چھپ کر لوگوں کے ہاں عام ہو چکا ہے۔ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ”سفیان ثوری کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ مدلس ہیں اور ضعفاء وغیرہم سے تدلیس کرتے تھے، لہذا ان کی غیر صحیحین میں معنعن روایت، عدم متابعت و عدم تصریح سماع کی صورت میں ضعیف و مردود ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا انھیں طبقہ ثانیہ میں شمار کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ طبقہ ثالثہ کے فرد ہیں“ نیز شیخ صاحب لکھتے ہیں ”یاد رہے کہ عبدالرشید انصاری صاحب کے نام میرے ایک خط (۱۴۰۸/۸/۱۹ھ) میں سفیان ثوری کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ: ”طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں ہے“ (جراہوں پر مسح ص ۴۰) میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں، لہذا اسے منسوخ و کالعدم سمجھا جائے گا۔“

(ماہنامہ شہادت اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۳ء، صفر ۱۴۲۴ھ ص ۳۹)

ڈیروی جی! آپ کو تو اپنی بات کا بھی پاس نہیں ”منسوخ و کالعدم“ کی تشہیر کو خیانت و تلبیس سمجھتے ہیں اور اسے خود کر بھی گزرتے ہیں۔ تلبیس کو گناہ جانتے ہیں لیکن خود اس گناہ کو بار بار کرتے ہیں۔ یہاں ڈیروی کا ہی انتخاب چسپاں کرنے کو من چاہ رہا ہے۔

”بے حیاء باش و ہر آنچہ خواہی کن“

ع جس میں برہن کا گھر ڈوبا اس ساون کو آگ لگا دو

ڈیروی نے تعارض نمبر ۱: کے تحت لکھا ہے: ”مولانا زبیر علیزئی صاحب تحریر کرتے ہیں مولانا سرفراز دیوبندی وغیرہم نے بھی محمد بن اسحاق کی توثیق کی ہے۔“ نیز لکھا ہے: ”اس بات کی تردید بہتر ہے کہ مولانا زبیر علیزئی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائی جائے۔ مولانا علیزئی صاحب لکھتے ہیں غرض جمہور علماء محمد بن اسحاق کو ثقہ کہتے ہیں مگر سرفراز اینڈ پارٹی برابر کذاب کذاب کی رٹ لگا رہے ہیں۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۷)

تجزیہ: اس عبارت سے ڈیروی صاحب یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا تعارض ہے حالانکہ اس سے تو صاف سرفراز خان صفدر کا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ محمد بن اسحاق کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ (دیکھئے تسکین الصدور ص ۳۴۰ وغیرہ) اور دوسرے مقام پر اسی محمد بن اسحاق کو کذاب و دجال قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے خزائن السنن حصہ اول ص ۶۱ و احسن الکلام ج ۲ ص ۸۴)

اب بتائیے تعارض کس کا ہے؟ ع دیدہ کو رکھ کر کیا آئے نظر کیا دیکھے ڈیروی نے لکھا ہے: ”مولانا زبیر علیزئی صاحب لکھتے ہیں۔ انما یفتی الکذب الذین لا یؤمنون بآیات اللہ و الثک ہم الکاذبون (سورۃ نمل آیہ ۱۰۵) جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (تعداد رکعات قیام رمضان ص ۳۶) اب مولانا حافظ زبیر نے یہ آیت سورۃ نمل ۱۰۵ سے پیش کی ہے جو بالکل جھوٹ ہے سورۃ نمل کی کل آیات ۹۳ ہیں تو اس سورۃ کی یہ آیت ۱۰۵ کیسے ہو سکتی ہے۔“

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۸)

تجزیہ: کمپوزنگ کی اس غلطی کو ڈیروی نے جھوٹ تصور کیا ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً کمپوزنگ کی غلطی ہے جو انخل کے بجائے انمل لکھا گیا ہے، ہمارے پاس اس کی قلمی اصل موجود ہے، اس میں بھی انخل لکھا ہوا ہے۔ (ص ۱) دوسرے یہ کہ تعداد رکعات قیام رمضان کے اسی ایڈیشن میں صفحہ ۳۶ پر یہی آیت بحوالہ سورۃ انخل موجود ہے۔ تیسرے یہ کہ ترجمہ بحوالہ تفسیر عثمانی نقل کیا گیا ہے اور اس کا صفحہ بھی درج ہے جو کہ دلالت کرتا ہے کہ یہ سورۃ انخل ہی ہے،

جو کمپوزر کی غلطی سے سورۃ النمل لکھا گیا، چوتھے یہ کہ ڈیروی خود معترف ہے کہ ”لکھنے میں یا پڑھنے میں بھولے سے غلطی واقع ہو سکتی ہے۔ ایسی غلطی تو بڑے بڑے حضرات سے بھی ہو جاتی ہے۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۴۳) پانچویں یہ کہ اگر کمپوزنگ کی غلطی کو جھوٹ تصور کیا جائے تو شاید روئے زمین پر ڈیروی سے بڑا کذاب اور کوئی نہ ہو، اپنی اسی تازہ کتاب نور الصباح حصہ دوم کو ہی دیکھ لیں صفحہ ۳ پر لکھا ہوا ہے: ”رفع الیدین بن السجدتین“ صفحہ ۴ پر جابر بن سمرہ کے بجائے ”ثمرہ“ لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ کمپوزنگ ڈیروی نے (کمپوزر) کے ساتھ بیٹھ کر کرائی ہے۔ (دیکھئے نور الصباح حصہ دوم ص ۱۰) خود پاس بیٹھنے کے باوجود غلطیوں کا یہ عالم ہے اور دوسروں کو کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے جھوٹا قرار دے رہے ہیں!!

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ڈیروی کی جہالتیں

ڈیروی نے اپنی کتاب (نور الصباح حصہ دوم ص ۴۹، ۵۰) میں تقریباً چار مرتبہ ابوالعرب کو ”ابوالغرب“ لکھا ہے اور اپنی جہالت کی مزید وضاحت ”امام مغربی (ابوالغرب)“ لکھ کر کی ہے۔ یہ ابوالغرب کیا ہے؟ یہ ایسا پردہ ہے جو علم کے ذریعے سے ہٹے گا اور ڈیروی کے ہاں علم کا فقدان ہے۔

یہی ڈیروی صاحب اپنی جہالت کا ثبوت دوسرے مقام پر اس انداز سے دیتے ہیں:
”علامہ ذہبیؒ ترجمہ هشام بن سعد میں فرماتے ہیں: فالجمہور علی انه لا یحتج بہما (میزان ص ۲۹۶ ج ۴)“ (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۹۱)

حالانکہ صحیح هشام بن حسان ہے جسے ڈیروی نے هشام بن سعد بنا دیا ہے۔ یہاں بھی مجھے ڈیروی کا انتخاب یاد آ رہا ہے۔

گل گئے گلشن گئے جنگل دھتورے رہ گئے اڑ گئے دانا جہاں سے بے شعورے رہ گئے
اسے ڈیروی صاحب کی جہالت کہیں یا ڈیروی قاعدے کے مطابق جھوٹ دونوں صورتوں میں ڈیروی صاحب کی شخصیت پہچاننے میں مشکل نہ ہوگی۔

محرف کون؟

ڈیروی نے لکھا ہے:

”حافظ بیرعلیزی صاحب تحریر کرتے ہیں عقبہ بن عامر الجہنی یقول انه یکتب فی کل اشارۃ یشیرھا الرجل بیدہ فی الصلوۃ بکل حسنة او درجة (نور العینین ص ۱۴۵) یعنی حضرت عقبہ بن عامر نے فرمایا نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے اسے ہر (مسنون) اشارہ کے بدلے ہر ایک انگلی پر ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے۔ یہ اثر طبرانی کبیر ج ۱ ص ۲۹۷ میں ہے۔ اس میں ایک لفظ علیزی صاحب کھا گئے ہیں وہ تھا بکل کے بعد اصبعین“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۰، ۲۵۱)

تجزیہ: ڈیروی صاحب کی مذکورہ عبارت کا تجزیہ درج ذیل ہے:

(۱) نور العینین کے پہلے تین ایڈیشنوں میں لفظ ”اصح“ کمپوزنگ کی غلطی سے رہ گیا تھا۔ ہمارے پاس نور العینین کی قلمی اصل موجود ہے۔ اس میں اصح کا لفظ موجود ہے۔ والحمد للہ نیز ترجمہ میں اصح کا ترجمہ انگلی کیا گیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ جو شخص کمپوزنگ کی غلطی کو تحریف یا جھوٹ قرار دے وہ احمق ترین ہے۔ اس سلسلے میں سابقہ صفحات پر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے۔

(۲) علاوہ ازیں نور العینین کے جدید ایڈیشن (ص ۱۸۲) میں اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ڈیروی کا اسے تحریف ظاہر کرنا، اس کے اپنے قول کے مطابق خیانت و تلبیس ہے۔ ڈیروی صاحب نے اس کمپوزنگ کی غلطی کو تحریف بنا دیا ہے۔ لیکن اپنے دیوبندیوں کی تحریفات سے صرف نظر کرتے ہیں! جنہوں نے نہ قرآن مجید کا لحاظ رکھا اور نہ احادیث ہی کا، ڈیروی صاحب! سورہ نساء کی آیت: ۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن ابی داؤد میں تحریف کرنے والے کون ہیں؟

ع ہمیں یاد ہے سب ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ڈیروی کی تحریف

ڈیروی نے لکھا ہے: ”اس میں ایک لفظ علیہ کی صاحب کھا گئے ہیں وہ تھا بکل کے بعد اصبعین یعنی ہر دو انگلیوں کے اشارے پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔ اب دو انگلیوں کا اشارہ کیسے ہوگا۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۱)

تجزیہ: حدیث میں ”اصبع“ کا لفظ ہے۔ دیکھئے المعجم الکبیر (۲۹۷/۱۷) وغیرہ، لیکن ڈیروی نے اپنے مفاد کی خاطر لفظ اصبع کو ”اصبعین“ بنا دیا جو سراسر تحریف ہے اور پھر بڑی ڈھٹائی سے اس کا ترجمہ بھی ”یعنی ہر دو انگلیوں کے اشارے“ کیا ہے۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

جب دلائل ساتھ نہ دے رہے ہوں تو پھر ڈیروی جیسے شخص اسی طرح کی حرکات سے اپنے عوام کو طفل تسلیاں دیتے ہیں! بلکہ پوری ملت دیوبندیہ اسی طریقہ پر کاربند ہے۔

ڈیروی صاحب اور ابن لہیعہ

ڈیروی صاحب لکھتے ہیں: ”اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ایک راوی ہے جو سخت ضعیف و مدلس و مختلط الحدیث ہے۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۲)

ڈیروی صاحب نے ابن لہیعہ کو ”سخت ضعیف“ لکھا ہے، جس بنا پر بیچارے اپنوں کے ہی عتاب کی زد میں آ گئے چنانچہ سید مہدی حسن شاہ جہانپوری دیوبندی ابن لہیعہ کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ”پس طریق مذکور کو ضعیف کہنا ضعیفوں کا کام ہے۔“

(مجموعہ رسائل جلد اول ص ۳۲۳، نیز دیکھئے اعلیٰ السنن تصنیف ظفر احمد تھانوی دیوبندی ۲۴۸، ۲۴۵/۱)

یہ ہے ڈیروی دیوبندی پر شاہ جہانپوری دیوبندی کا فتویٰ! یعنی شاہ جہانپوری کے نزدیک ڈیروی صاحب ضعیف ہیں۔ ع گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

خلطِ مبحث اور ہٹ دھرمی

استاذ محترم حفظہ اللہ نے حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مفہوم کے تحت امام احمد بن حنبل اور

امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کے اقوال نقل کئے تاکہ عوام پر واضح ہو جائے کہ ان ائمہ کرام کے نزدیک بھی اس حدیث سے مراد رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین ہے لیکن ڈیروی نے خلطِ محبت سے کام لیتے ہوئے لکھا کہ ”امام احمد بن حنبلؒ و امام اسحاق بن راہویہؒ کی بے سند قول سے حضرت عقبہؒ کے اثر کو رفع الیدین عند الركوع پر فٹ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان دو اماموں و حضرت عقبہؒ کے درمیان سینکڑوں سالوں کا فاصلہ ہے۔“

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۴)

تجزیہ: حالانکہ یہ قول حدیث کی درایت (شرح) میں پیش کئے گئے ہیں نہ کہ روایت میں اور ان دونوں قولوں کی سندیں صحیح ہیں لیکن ڈیروی صاحب اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لئے اپنی عادت سے مجبور اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں۔

مذکورہ عبارت کا فیصلہ ڈیروی کی ہی تحریر سے با آسانی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ڈیروی نے لکھا ہے: ”حافظ ابن حجرؒ حضرت عقبہؒ کے اثر کو تکبیر احرام کے وقت مانتے ہیں جبکہ یہ حضرات رفع الیدین عند الركوع پر فٹ کر رہے ہیں“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۱)

جی ڈیروی صاحب! کیا حافظ ابن حجرؒ کی ملاقات سیدنا عقبہ بن عامرؓ سے ثابت ہے؟ کیا آپ یہ قول متصل سند کے ساتھ بیان کر رہے ہیں؟ کیا آپ کو اب ابن حجرؒ اور سیدنا عقبہؓ کے درمیان سینکڑوں سالوں کا فاصلہ نظر نہیں آیا؟ رع بے حیاء باش دھرا آنچہ خواہی کن یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حدیث عقبہؓ کو مذکورہ باب کے تحت بیان کرنے سے فضیلت رفع الیدین مقصود ہے نہ کہ تکبیر احرام کے ساتھ تخصیص! کیونکہ خود حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو التخصیص الحجیر (۲۲۰/۱) میں رفع الیدین عند الركوع و بعدہ کی بحث میں نقل کیا ہے۔

ڈیروی کی خیانت

ڈیروی نے لکھا ہے: ”علامہ ڈھمیؒ کا رجوع: سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۶۷ میں ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ یعنی ان عارماً قال هذا وقد زال عقله

کہ عارم نے یہ بات اس وقت کہی جب اس کا عقل زائل ہو گیا تھا۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۶۰)
تجزیہ: مذکورہ عبارت میں ڈیروی نے بہت بڑی خیانت کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ یہ عبارت
علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی ہے ہی نہیں لیکن ڈیروی نے اسے علامہ ذہبی کے ساتھ جوڑ دیا جو کہ
بہت بڑی خیانت ہے۔

ڈیروی صاحب جس عبارت کو علامہ ذہبی کی عبارت قرار دے رہے ہیں وہ ابو عبیدہ الآجری
کی یا ابو داؤد سے منسوب ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۱۵۵/۱۷) اور سؤالات ابی عبیدہ
الآجری (قلمی ۳/الورقۃ ۱۱) نیز دیکھئے الجامع فی الجرح والتعديل (۶۷/۳)
قارئین کرام: جو شخص خائن، ملبس اور مخرف ہو اس کا دین میں کیا مقام ہوگا؟ اور اس کی
تحریر کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کا فیصلہ اب آپ بہترین طریقے سے کر سکتے ہیں۔
ڈیروی جیسے حضرات جو اتنے صفحات سیاہ کر ڈالتے ہیں صرف اس لئے کہ عوام میں اپنی
”ڈاؤنڈول“ ساکھ کو بحال رکھیں یا پھر ع بدنام نہ ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا
کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔ (اللہم اھدہم)

ڈیروی کا صحیح بخاری پر حملہ

ڈیروی نے لکھا ہے: ”ابو العمان محمد ابن فضل السدوسی کی منکر روایات خود بخاری شریف میں
موجود ہیں۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۶)
ڈیروی صاحب قیل وقال کے ذریعے سے صحیح بخاری کی صحت کو مشکوک بنانا چاہتے ہیں۔
لیکن ڈیروی کے اس عمل نے ڈیروی کو ہی مشکوک بنا دیا ہے۔

ع دونوں عالم سے دل مضطر نے تجھ کو کھو دیا ہو گئی اس کی بدولت آبرو پانی تیری
آل دیوبند کے تسلیم شدہ بزرگ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم
کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح
ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچتی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ
بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔“

(حجۃ اللہ البالغہ عربی ۱۳۴۱ھ، اردو ۲۰۲۰ء، ترجمہ: عبدالحق حقانی)

معلوم ہوا کہ ڈیروی شاہ ولی اللہ کے نزدیک بدعتی ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔ اور تو اور ڈیروی نے تو اپنے استاد کا سر بھی شرم سے جھکا دیا ہے کیونکہ ان کے استاد سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں: ”اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔ کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روایتیں صحیح ہیں۔“ (حاشیہ احسن الکلام ۱۸۷/۱، دوسرا نسخہ ۲۳۴)

ادھر ڈیروی صاحب ہیں جو کہ اپنے استاذ سے بغاوت کرتے ہوئے صحیح بخاری کی احادیث کو منکر ثابت کرنے پر ٹٹلے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید کچھ لکھنے کے بجائے صرف یہی کہوں گا کہ

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

حافظ حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے بلکہ کتاب کے ٹائٹل پر بھی اسے نقل کیا ہے۔ علمی بحث سے قطع نظر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس روایت کو بطور دلیل پیش کر کے ڈیروی صاحب نے اپنے آپ کو رسوا اور اپنے اکابر کی نظر میں مزید گرا دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ جہانپوری کے فتوے کی زد میں تو پہلے ہی آچکے ہیں۔ اب مزید فتوے ملاحظہ کیجئے:

① محمود حسن دیوبندی فرماتے ہیں: ”باقی اذناہ خیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے۔“ (الورد الغدی علی جامع الترمذی ص ۶۳)

② محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں: ”لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے۔“ (درس ترمذی ۳۶۲)

ان تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ محمود حسن دیوبندی اور تقی عثمانی کے نزدیک ڈیروی صاحب انصاف کے قریب بھی نہیں پھٹکے بلکہ پرلے درجے کے بے انصاف شخص ہیں۔

لطیفہ: ڈیروی نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کے سلسلے میں تقی عثمانی سے خط کتابت کی اور بہتیرے ڈورے ڈالنے کی کوشش کی کہ اپنے موقف سے رجوع کر لیں لیکن

تقی عثمانی نے جاہل ڈیروی کی تحریر کو قابل التفات ہی نہیں جانا، اور اپنے سابقہ موقف پر ڈٹے رہے۔ جس کا ڈیروی صاحب ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں: ”مگر مولانا محمد تقی عثمانی نے حسب وعدہ نہ رجوع فرمایا اور نہ اس خط کا جواب عنایت کیا۔“ (نور الصباح حصہ دوم ص ۳۲۸) پچارہ ڈیروی اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہے کہ

آنکھ پر غم ہے اور اس پہ جگر جلتا ہے کیا تماشا ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے اکابر دیوبند کے بعد دیگر علمائے کرام کے فتوے بھی ملاحظہ کریں:

③ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولا یحتج بہذا من لہ حظ من العلم“ جس کے پاس علم میں سے تھوڑا سا حصہ بھی ہے تو وہ اس روایت سے (ترک رفع یدین پر) حجت نہیں پکڑتا۔ (جزء رفع الیدین: ۳۷)

④ علامہ نووی شارح صحیح مسلم نے فرمایا: اس حدیث سے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے نہ کرنے پر استدلال کرنے والا جہالتِ قبیحہ کا مرتکب ہے اور بات یہ ہے کہ عند الرکوع رفع الیدین کرنا صحیح و ثابت ہے جس کا رد نہیں ہو سکتا۔

(المجموع شرح المہذب ۴۰۳/۳)

⑤ حافظ ابن الملقن نے فرمایا: اس حدیث سے (ترک رفع الیدین پر) استدلال انتہائی بُری جہالت ہے۔ (البدرا لمیر ۳/۲۸۵)

معلوم ہوا کہ امام بخاری، علامہ نووی اور حافظ ابن الملقن تینوں کے نزدیک ڈیروی صاحب بے علم اور پرلے درجے کے جاہل ہیں۔

تنبیہ: ماہنامہ الحدیث: ۲۷ ص ۲۰ تا ۳۱ میں حبیب اللہ ڈیروی صاحب کے دس (۱۰) جھوٹ باحوالہ نقل کر کے قارئین کی عدالت میں پیش کئے جا چکے ہیں جن کا جواب ابھی تک ڈیروی پر قرض ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ راقم الحروف نے ڈیروی صاحب کی اس تحریر پر سرسری نظر ڈالی ہے جس سے عوام کافی حد تک ڈیروی کو پہچان گئے ہوں گے۔ (إن شاء اللہ)

ابوالاحمد محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

اکسٹھواں (۶۱) قصہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قصہ:
سبکی نے شفاء السقام (کتاب) میں کہا: ”أنبأنا عبد المؤمن بن خلف و علي بن محمد بن هارون وغيرهما قالوا: أنا القاضي أبو نصر بن هبة الله بن محمد بن سميل الشيرازي إذنا: أنا الحافظ أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله بن عساكر الدمشقي قراءة عليه و أنا أسمع قال: أخبرنا أبو القاسم زاهر بن طاهر قال: أنا أبو سعيد محمد بن عبد الرحمن قال: أنا أبو أحمد محمد بن محمد: أنا أبو الحسن محمد بن الفيض الغساني بدمشق، قال: حدثنا أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبي الدرداء: حدثني أبي محمد بن سليمان عن أبيه سليمان بن بلال عن أم الدرداء عن أبي الدرداء...
سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے تو ”جالبیہ“ مقام پر ٹھہرے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے شام میں رہنے کی درخواست کی، آپ نے انھیں اجازت دے دی... پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ان سے فرما رہے تھے: اے بلال! یہ کیسی بے رنجی ہے؟ کیا تمھارے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرتے؟ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ غمگین و مضطرب حالت میں بیدار ہوئے اپنی سواری پر سوار ہوئے، رخت سفر باندھا اور مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا (وہاں پہنچ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر تشریف لائے اور وہاں رونے لگے، اپنا چہرہ اُس پر ملنے لگے۔ (کچھ دیر بعد) وہاں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو بلال رضی اللہ عنہ ان سے بغلگیر ہو کر انھیں چومنے لگے۔ کسین کریمین رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: ہماری

خواہش ہے کہ ہم آپ سے وہ اذان سنیں جو آپ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مسجد میں کہا کرتے تھے۔

تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر اُس جگہ آکھڑے ہوئے جہاں آپ کھڑے ہوا کرتے تھے، جب آپ نے ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ کہا تو مدینہ لرز اٹھا، جب ”أشهد أن لا إله إلا الله“ کہا تو لرز اہٹ اور زیادہ ہوئی۔ پھر جب ”أشهد أن محمداً رسول الله“ کہا تو خواتین اپنی پردہ گاہوں سے باہر نکل آئیں۔ لوگوں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ (دوبارہ) مبعوث کئے گئے ہیں؟ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اُس دن سے زیادہ رونے والوں اور رونے والیوں کو نہیں دیکھا گیا۔

تحریر: شفاء السقام (ص ۵۲) اور تحفۃ الزوار (ص ۶۷)

جرح: حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے یہ قصہ، سبکی کا اس کو جید قرار دینا اور اس قصے سے حجت پکڑنا ذکر کرنے کے بعد سبکی کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

”سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قصہ اُن سے بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ اُن سے صحیح ثابت بھی ہوتا تو اس میں محل نزاع (یعنی زیارتِ قبرِ نبوی کے لئے سفر) کی کوئی دلیل نہیں معترض (یعنی سبکی) کا یہ کہنا کہ اس کی سند جید ہے اور یہ اس باب میں نص ہے، درست نہیں۔ یہ اثر امام حاکم ابوالاحمد... النیشاپوری نے اپنی کتاب ”فوائد“ کی پانچویں جلد میں ذکر کیا اور انھیں کی سند سے ابن عساکر نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں بیان کیا ہے۔ یہ اثر غریب و منکر ہے اس کی سند مجہول ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ محمد بن الفیض الغسانی اس قصہ کو ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال عن اُبیہ عن جدہ کی سند سے بیان کرنے میں منفرد ہے۔ پھر یہ ابراہیم بن محمد ثقاہت، امانت اور ضبطِ عدالت کے ساتھ معروف نہیں بلکہ یہ مجہول ہے، نقل میں معروف نہیں اور نہ روایت کرنے میں مشہور ہے۔ اس سے محمد بن الفیض الغسانی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔ صرف اسی نے اس سے یہ منکر روایت بیان کی ہے۔ (الصارم المنکی ص ۳۱۴)

① حافظ ذہبی نے یہ قصہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اس کی سند کمزور ہے اور یہ روایت منکر ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱/۳۵۷-۳۵۸)

② حافظ ابن حجر نے اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ”یہ قصہ واضح طور پر من گھڑت ہے۔“ (لسان المیزان ۱/۱۰۷-۱۰۸)

③ شوکانی یمنی نے فرمایا: ”اس کی کوئی اصل نہیں۔“ (الفوائد المجموعہ ص ۴۰)

④ ملا علی قاری (حنفی) نے اس کے موضوع ہونے کا حکم نقل کیا۔

(المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۳۹۵)

⑤ علامہ المعلمی نے الفوائد المجموعہ پر اپنی تعلیقات میں حافظ ابن حجر کا مذکورہ قول نقل کیا ہے۔ (ص ۴۰ حاشیہ نمبر ۱)

عرض مترجم: بہت سے لوگ یہ من گھڑت قصہ بیان کر کے محفل پر رنگ جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے عجیب عجیب باتیں ثابت کرتے ہیں، مثلاً رسول نبی مکرم ﷺ اپنی وفات کے بعد امت کے احوال سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ ﷺ سے اپنی امت کا حال پوشیدہ نہیں اور محبت کرنے والوں کو آپ ﷺ مدینہ منورہ بھی بلاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ لیکن اس قصہ کی اصل حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ یہ مستند ذرائع سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا، جب یہ ثابت ہی نہیں تو اس سے استدلال کیسا؟

باسطھواں (۶۲) قصہ: سعید بن المسیب پر گھڑا ہوا قصہ:

سلمہ نے کہا: أخبرنا أبو العباس أحمد بن سعيد المعداني بمراء: ثنا محمد بن سعيد المروزي: حدثنا الترقفي: ثنا عبد الله بن عمرو الوراق: ثنا الحسن بن علي بن منصور: ثنا غياث البصري عن إبراهيم بن محمد الشافعي أن
سعید بن المسیب

سعید بن المسیب مکہ کی بعض گلیوں سے گزرے تو الا خضر کو گاتے ہوئے سنا، وہ عاص بن وائل کے گھر گانا گارہا تھا: وادی نعمان میں زینب کے چلنے کی وجہ سے خوشبو پھیل گئی، دوسری

خوشبودار عورتوں میں جب زینب نے میری قافلہ دیکھا تو اس کی ملاقات کے خوف سے اعراض کر لیا اور عورتیں چھپ گئیں تو آپ نے کچھ دیر تک اپنا پیر زمین پر مارا (وجد طاری ہوا) اور کہا: اس کا سننا لطف دیتا ہے، لوگ سمجھتے تھے کہ یہ اشعار سعید بن المسیب کے ہیں۔

(الاربعین السلیہ فی التصوف: نقل عن حافیہ کتاب: تخریج الاربعین السلیہ للسخاوی ص ۱۷۴)

جرح: یہ قصہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن الجوزی نے کہا: اس کی سند مقطوع و مظلم ہے، ابن المسیب سے باسند صحیح ثابت نہیں اور نہ یہ ان کے اشعار ہیں۔ ایسی باتوں سے اُن کی شان بلند تھی۔ یہ اشعار محمد بن عبداللہ النمیری شاعر سے مشہور ہیں۔ (تلیس ابلیس ص ۳۱۸)

سخاوی نے کہا: مجھے مؤلف پر تعجب ہے، کس طرح اُس نے اس منقطع قصہ پر انحصار کیا۔

(تخریج الاربعین السلیہ ص ۱۴۸)

اس طرح آپ پر واضح ہوا کہ یہ جلیل القدر تابعی سعید بن المسیب رحمہ اللہ اس جھوٹ سے بری تھے اور یہ کہ آپ کا وقار، متانت اس قسم کے اشعار سے بہت بلند ہے۔

عرض مترجم: اس سے تصوف اور صوفیاء کا اپنے ”وجد“ و ”حال“ اور مست یا بدمست ہو جانے کا ثبوت پیش کرنا یقیناً ایک لغو عمل ہوگا۔ چونکہ یہ قصہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں کہ وہ محض ایک عشقیہ غزل پر تھرکنے لگے۔ اُن کے مقام و مرتبہ سے واقف لوگ تو اُن سے متعلق اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اعلان

قارئین کرام سے کئی مرتبہ گزارش کی گئی ہے کہ وہ جب بھی مئی آرڈر کے ذریعے سے اپنی رقم بھیجیں یا ٹیلی فون کریں تو اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ بعض لوگ تا حال سالانہ فنڈ: 150 روپے بھیجتے ہیں حالانکہ الحدیث حضرو کا سالانہ محصول ڈاک کی وجہ سے 200 روپے ہے۔ یاد رہے کہ سالانہ ختم ہونے والے مہینے کے بعد مزید رسالہ نہیں بھیجا جاتا کیونکہ ہم دودفعہ پیشگی اطلاع بھیج دیتے ہیں۔ [ادارہ ماہنامہ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک]

حافظ شیر محمد

سیدنا ابوطلمحہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے محبت

(۲)

انصارِ مدینہ میں ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ کھجور کے باغات کی وجہ سے سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان باغات میں سے پیرحاء سب سے زیادہ پسند تھا جو کہ مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس باغ میں داخل ہوتے اور اس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیز کو (اللہ کے راستے میں) خرچ نہ کرو۔ (ال عمران: ۹۲)

(یہ سن کر) ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: میرا محبوب ترین مال پیرحاء کا باغ ہے اور اسے میں اللہ کے لئے صدقہ کر رہا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ میرے لئے نیکی اور توشہ آخرت ثابت ہو۔ یا رسول اللہ! آپ جس طرح مناسب سمجھتے ہیں اسے استعمال کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بخ، ذلك مال رابع، ذلك مال رابع .)) الخ واہ! یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں صرف (خرچ) کرو۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۴۶۱، صحیح مسلم: ۹۹۸)

ایک دفعہ سیدنا ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ نکلو (اللہ کے راستے میں) ہلکے ہو یا بوجھل۔ (التوبہ: ۴۱)

تو انھوں نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ میرا رب یہ چاہتا ہے کہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، اس کے راستے میں نکلیں۔ میرے بچو! میرا زادِ سفر تیار کرو۔ آپ کے بیٹوں نے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر جہاد کیا ہے اور (اب) ہم آپ کی طرف سے جہاد کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: میرا زادِ سفر تیار کرو۔ پھر وہ بحری بیڑے میں (جہاد

کے لئے) سوار ہوئے اور سمندر میں فوت ہو گئے۔ مجاہدین کو کوئی جزیرہ نہیں مل رہا تھا جہاں انھیں دفن کیا جائے لہذا میت (جہاز میں ہی) پڑی رہی۔ سات دنوں کے بعد جب جزیرہ ملا تو انھیں وہاں دفن کیا گیا اور ان کا جسم (ذره برابر) خراب نہیں ہوا تھا۔ (طبقات ابن سعد

۵۰۷/۳ و سندہ صحیح، صحیح الحاکم علی شرط مسلم ۳۵۳/۳ ح ۵۵۰۸، علی بن زید بن جعدان تابع ثابت البنانی)

سیدنا ابوطحہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”صاحب رسول اللہ ﷺ ومن بني أخواله و أحد أعيان البدرين و أحد النقباء الإثني عشر ليلة العقبة .“) آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی، آپ کے ماموؤں کے قبیلے سے اور مشہور بدری صحابہ میں سے تھے۔ عقبہ والی رات ان بارہ نقیبوں (مبلغین) میں سے تھے جنھیں ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ میں تبلیغ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۲۷۷)

آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں چونتیس ہجری (۳۴ھ) کو فوت ہوئے۔ آپ نے بیس سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں ہیں۔ آپ کی بیان کردہ احادیث میں سے ایک حدیث درج ذیل ہے:

سیدنا ابوطحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ ہم نے پوچھا: ہم آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ((إنه أتاني الملك فقال: يا محمد! إن ربك يقول: أما يرضيك أنه لا يصلي عليك أحد إلا صليت عليه عشرًا ولا يسلم عليك أحد إلا سلمت عليه عشرًا .))

ایک فرشتے نے آکر مجھے بتایا کہ اے محمد! (ﷺ) آپ کا رب فرماتا ہے: کیا آپ اس پر خوش نہیں کہ اگر کوئی آدمی آپ پر (ایک مرتبہ) درود پڑھے تو میں اس پر دس رحمتیں نازل فرما دوں اور اگر کوئی شخص آپ پر (ایک مرتبہ) سلام پڑھے تو میں اس پر دس سلامتیاں نازل فرما دوں؟

(سنن النسائي ۴۴۳۳ ح ۱۲۸۳، وسندہ حسن و صحیح ابن حبان/الموارد: ۲۳۹۱ والحاکم ۴۲۰/۲، ۴۲۱، ووافقه الذہبی)

اے اللہ! ہمارے دل سیدنا ابوطحہ رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت سے بھر دے۔ (آمین)

حافظ ندیم ظہیر

کلمۃ الحدیث

کیا آپ روزے سے ہیں؟

اگر آپ روزے سے ہیں تو پھر ایک لمحے کے لئے اپنا جائزہ لیجئے کہ کیا آپ روزے کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کا شمار ایسے لوگوں میں سے ہو رہا ہو جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی (رات کو) قیام کرنے والے ایسے ہیں جنہیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ (سنن الدارمی: ۲۷۲۲ و اسنادہ حسن)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۹۰۳)

کیا آپ چغلی، غیبت، جھوٹ اور بہتان جیسے گناہوں سے اپنے دامن کو بچا پائے ہیں؟ کیا آپ اپنی زندگی میں روزے کے اہم مقصد (تقویٰ شعاری اور پرہیزگاری) کے آثار محسوس کر رہے ہیں؟ اگر ان تمام باتوں کا جواب ہاں میں ہے تو ماہ رمضان آپ کو مبارک ہو! اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر اللہ کے حضور ہاتھ اٹھائیے، گڑ گڑائیے اور ممکن ہو سکے تو آنکھوں سے آنسو بہائیے اور مانگئے:

اے اللہ! اتنی ہمت و استطاعت اور توفیق عطا فرما دے کہ روزے کے تقاضے پورے کر سکوں اور رمضان کی تمام تر فضیلتیں اپنے حق میں سمیٹ سکوں۔ (آمین)

اس دورانیے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی ذہن نشین رہے کہ آپ نے فرمایا:

((و رغم أنف رجل دخل عليه رمضان ثم انسلخ قبل أن يغفر له .))

اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جو رمضان کا مہینہ پائے لیکن بخشش سے محروم رہے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۴۵ و سندہ حسن)

یہ مختصر سا محاسبہ چارٹ ہے کیونکہ جو لوگ اپنا تزکیہ و محاسبہ کرتے رہتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں سرخرو رہتے ہیں۔ ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا﴾

حافظ زبیر علی زئی

تذکرۃ الأعیان

مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ

نام و نسب: عبدالرحمن کیلانی بن مولوی نور الہی بن مولوی امام دین
ولادت: ۱۱ نومبر ۱۹۲۳ء بمطابق ۱۳ ربيع الآخر ۱۳۴۲ھ بروز اتوار بمقام حضرت کیلیانوالہ، گوجرانوالہ
اساتذہ: مولانا محمد اسماعیل سلفی، عبدالغفار کیلانی، محمد حسین، محمد صدیق الیاس رقم وغیرہم
تصانیف: تفسیر بنام تیسیر القرآن، مترادفات القرآن، آئینہ پرویزیت، شریعت و طریقت، قرآن
نافی کے اسباب اور ان کا حل، خلافت و جمہوریت، روح، عذاب قبر اور سماع موتی، عقل پرستی اور انکار
معجزات، سرگزشت نورستان، اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام، احکام ستر و حجاب، تجارت اور لین دین کے
مسائل و احکام، الشمس والقمر بحبان اور طویل سلسلہ مضامین۔
دیگر علمی خدمات: مدرسہ تدریس القرآن والحدیث للبنات کا اجراء اور کتابت وغیرہ
تلامذہ: مولانا عبدالسلام مدنی کیلانی اور تمام وہ لوگ جنہوں نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔
علمی مقام: حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں: ”مولانا عبدالرحمن کیلانی... جماعت اہل حدیث
کے ان علماء میں سے ایک ممتاز عالم اور صاحب قلم بزرگ تھے جنہوں نے نام و نمود کی خواہش کے بغیر
نہایت خاموشی سے ٹھوس دینی اور علمی خدمات سرانجام دیں۔“ (ماہنامہ مطلع الفجر کا عبدالرحمن کیلانی نمبر ص ۵)
راقم الحروف نے سب علماء کو آپ کی تعریف و توثیق پر متفق پایا ہے۔ میری آپ سے کئی ملاقاتیں آپ کے
گھر اور مکتبہ دارالسلام لاہور میں ہوئیں۔ انتہائی نیک، صالح اور ثقہ علماء میں سے تھے اور آپ کے چہرے
پر صالحین کا نور تھا۔ صلہ رحمی اور خوش اخلاقی آپ کا شعار تھا۔ رحمہ اللہ
اولاد: ڈاکٹر حبیب الرحمن کیلانی، ڈاکٹر شفیق الرحمن کیلانی، نجیب الرحمن کیلانی، عتیق الرحمن کیلانی اور چار
بیٹیاں۔ آپ کے تقریباً ۵۶ نوادے نواسیوں اور پوتے پوتیوں میں سے تقریباً ۳۶ کو حفظ قرآن کی سعادت
حاصل ہے۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
وفات: ۱۸ دسمبر ۱۹۹۵ء بمطابق ۲۵ رجب ۱۴۱۶ھ کو عین سجدے کی حالت میں ہوئی۔